ادبوا النفس ایها الاصحاب
اے دوستو، اپنے آپ کو ادب سکھاؤ

اللہ

طرق العشق کلها آداب
عشق کے تمام راستے آداب ہی ہیں۔

باادب بانصیب

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-618003

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
پیش لفظ........................	11
دیباچہ........................	15
باب 1	
ادب کی اہمیت	17
ادب اکابرین کی نظر میں........................	19
ادب شعراء کی نظر میں........................	21
باب 2	
بارگاہ الوہیت کا ادب	23
قرآن مجید سے مثالیں........................	24
حضرت نوح علیہ السلام کی مثالیں........................	24
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال........................	26
حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال........................	27
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال........................	28
حضرت خضر علیہ السلام کی مثال........................	28
حضرت یونس علیہ السلام کی مثال........................	29
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال........................	30
حضرت محمد ﷺ کی مثال........................	31

عنوانات	صفحہ نمبر
باب 3	
بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب	35
قرآن مجید سے مثالیں........................	38
صحابہ کرام کے واقعات........................	43
وصال مبارک کے بعد ادب نبوی ﷺ........................	57
حدیث نبوی ﷺ کا ادب........................	65
علم حدیث میں سلف صالحین کے چند واقعات........................	68
باب 4	
شعائر اللہ کا ادب	75
قرآن مجید کے آداب........................	76
قرآن مجید کو چھونے کے آداب........................	76
تلاوت قرآن کے آداب........................	78
آداب ظاہری........................	78
آداب باطنی........................	80
تلاوت قرآن سننے کے آداب........................	81
قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں........................	83
سلف صالحین اور قرآن مجید کا ادب........................	85
بیت اللہ شریف کا ادب........................	86
بیت اللہ شریف کی بے ادبی کی مختلف صورتیں........................	87

عنوانات	صفحہ نمبر
باب 5 — والدین کا ادب	89
تورات میں حکم الٰہی	90
انجیل میں حکم الٰہی	90
انبیائے سابقین کے حالات	90
قرآن مجید میں حکم الٰہی	91
ایک دلچسپ اور نصیحت آموز واقعہ	99
والدین کے ادب کے ثمرات	102
والدین کا ادب اور نقوش اسلاف	107
خلاصہ کلام	109
باب 6 — طلباء کیلئے آداب	111
(۱) اخلاص نیت	112
(۲) اپنے نفس کو بری صفات اور ناپسندیدہ عادات سے پاک کرے	116
(۳) اساتذہ کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم سمجھے	120
(۴) اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لئے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے	125
(۵) دینی کتابوں کا ادب واحترام کرے	127
(۶) اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے	129
(۷) حصول علم کے لئے خوب محنت کرے اور اوقات کو ضائع نہ کرے	131
مطالعہ	132
سبق کی پابندی	136

عنوانات	صفحہ نمبر
تکرار اور مذاکرہ	138
(۸) طالبعلم کو علم کا حریص ہونا چاہئے	140
(۹) طلب علم میں جو دشواریاں آئیں انہیں بخوشی برداشت کرے	142
(۱۰) زمانہ طالبعلمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلے	144
باب 7 — آداب المعلمین	145
(۱) علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو	145
(۲) شاگردوں پر شفقت کرے اور انہیں اپنے بیٹوں کے برابر جانے	150
(۳) طلباء کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے	152
(۴) سبق کا ناغہ نہ کرے	156
(۵) شاگرد کو اخلاق حمیدہ کی بھی تلقین کرے	161
(۶) شاگرد کے وقت کے مناسب اسباق کی ترتیب بنائے	164
(۷) دوسرے علوم وفنون اور اساتذہ کی برائی نہ کرے	164
(۸) ایسی تقریر نہ کرے جو طالبعلم کے علم وفہم سے بالاتر ہو	164
(۹) اگر کوئی شاگرد دوسرے استاد یا دوسرے مدرسے میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو اجازت دے دے	166
(۱۰) طلباء سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرے	166
(۱۱) اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرے	168
باب 8 — راہ سلوک کے آداب	171
مشائخ عظام کے آداب	172

عنوانات	صفحہ نمبر
پیر بھائیوں کے آداب	184
طریقت کے آداب	191
باب 9 اداب السادات	197
کتاب وسنت سے دلائل	197
صحابہ کرامؓ اور سادات کا ادب	199
سلف صالحین اور سادات کا ادب	205
باب 10 اداب معاشرت	209
آداب طعام	212
خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب	214
حلال غذا اور اسکے آداب	215
کھانے پینے کے آداب	216
مہمان نوازی کے آداب	230
رزق کا ادب	236
آداب لباس	240
سلف صالحین کے اقوال	245
آداب ملاقات	248
آداب مجلس	252
آداب گفتگو	255
چلنے پھرنے کے آداب	260
آداب سفر	263

عنوانات	صفحہ نمبر
آداب خواب	267
چھینک اور جمائی کے آداب	270
طہارت کے آداب	271
عورتوں کیلئے مخصوص آداب	276
متفرق آداب	277
باب 11 اختلاف کے آداب	279
اختلاف کا تکوینی راز	280
اختلاف مقبول کے فوائد	281
اختلاف صحابہ اور اس کے آداب	283
عہد صحابہؓ میں اجتماعی اختلاف رائے کی مثالیں	283
انفرادی اختلاف کی چند مثالیں	284
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے علمی اختلافات	285
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان الفت ومحبت	285
حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلافات	286
حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باہمی محبت	288
عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا اختلاف	288
حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ میں باہمی محبت	289
حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کا اختلاف	289
دونوں حضرات کی باہمی محبت	290
حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف	290
دونوں حضرات کا باہمی تعلق	291

عنوانات	صفحہ نمبر
دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور تابعین میں اسباب اختلاف	292
اختلاف ائمہ کرام اور اس کے آداب	293
اختلاف کی چند مثالیں	294
ائمہ کرام میں محبت و احترام کی مثالیں	294
امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ	296
امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ	297
سلف صالحین کا محتاط رویہ	299
چوتھی صدی ہجری کے بعد کی حالت	300
تقلید کی ضرورت و اہمیت	301
ماضی قریب کے حالات و واقعات	302
دور حاضر کا اختلاف	305
(۱) دنیا دار طبقہ	306
(۲) عام دیندار طبقہ	307
(۳) علمائے کرام	308
غیر مقلد حضرات	309
اہل بدعت حضرات	310
اہل حق حضرات	311
صوفیائے کرام	312
اہل سیاست علماء	312
دور حاضر میں یورپی اقوام کا کردار	314
آداب اختلاف (اصول وضوابط)	315

پیش لفظ

آجکل کے مشینی دور کا عام انسان خود بھی ایک مشین کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔ کام کاج کی زیادتی اور معاشی و معاشرتی پریشانیوں نے اسے خوب الجھا رکھا ہے۔ پرآسائش زندگیوں کے باوجود اسے وسائل اور اطمینان قلب کی کمی کا شکوہ رہتا ہے۔ ایک طرف مادی ترقی نے اسے اپنی ذات کے خول میں بند کر دیا ہے دوسری طرف سائنسی علوم نے عقل کو اس قدر مسحور کر رکھا ہے کہ دینی علوم کی اہمیت دلوں سے نکلتی جا رہی ہے۔ اپنی زبان سے ''دین و دنیا برابر'' کا نعرہ لگانے والے بھی عملاً دنیا دارانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رسم و رواج ٹوٹنے پر تڑپتے ہیں اور سنت نبوی ﷺ کے چھوٹنے پر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ مسلمان نوجوان فرنگی تہذیب کے اس قدر دلدادہ بن چکے ہیں کہ لباس و طعام اور نشست و برخاست میں فرنگی طور طریقوں کو اپنانا روشن خیالی کی علامت سمجھتے ہیں۔ کفر و الحاد نے

مسلمان معاشرے پر اپنے مکروہ سائے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔ جبکہ جدید تعلیم نے جلتی پر تیل کا کام کر دیا ہے بقول اکبرالہ آبادی:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا پتہ تھا کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

آجکل کے مسلمان بچے ماں باپ کی گود سے ہی انگریزی زبان کے الفاظ اس طرح سیکھ رہے ہیں جس طرح ماضی میں کلمہ طیبہ اور قرآن کی آیتیں سیکھا کرتے تھے۔ جب بچے کی اٹھان ہی ایسی ہو تو کیا گلہ اور کیا شکوہ کہ بچہ بڑا ہو کر ماں باپ کا نافرمان بنتا ہے۔

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

بعض عورتوں کا تو یہ نظریہ ہوتا ہے کہ بچہ بڑا ہو کر خود بخود سنور جائے گا۔ لہٰذا بچے کی بری حرکات و سکنات دیکھ کر خود تھوڑا بہت ڈانٹ لیتی ہیں باپ کو روک ٹوک نہیں کرنے دیتیں۔ حالانکہ بچپن کی بگڑی عادتیں جوانی میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ بچہ سیال فولاد کی طرح بچپن میں جس سانچے میں ڈھل جائے ساری عمر اسی طرح رہتا ہے۔ رہی سہی کسر کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم پورا کر دیتی ہے جس سے نوجوان طبقہ ''مان کر چلنے'' کی بجائے ''منوا کر چلنے'' کا عادی ہو جاتا ہے۔ اب اگر انہیں روک ٹوک کی جائے تو یہ ماں کو دقیانوسی سمجھتے ہیں اور باپ سے یوں نفرت کرتے ہیں جیسے پاپ سے نفرت کی جاتی ہے۔

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکثر نوجوان جب یونیورسٹیوں کی تعلیم پا کر نکلتے ہیں تو دین کے ہر مسئلے کو عقل کی ترازو پر تولنا ان کا محبوب مشغلہ بن چکا ہوتا ہے۔ پھر اگر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جانے کا موقع مل جائے تو عموماً "ظلمات بعضها فوق بعض" (اندھیرے در اندھیرے) والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ ایسے حضرات کو اپنی اصلاح کی بجائے دین کی اصلاح کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ میاں بیوی خود دین کے مطابق ڈھلنے کی بجائے دین کو اپنی مرضی و سہولت کے مطابق ڈھالتے رہتے ہیں۔

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
انہیں غصہ نہیں آتا انہیں غیرت نہیں آتی

دین کی سچی محبت رکھنے والے حضرات کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ انکی اولاد کی اچھی تربیت کیسے ہو؟ جن گھروں میں اولاد کی تربیت کے لئے کوششیں ہو بھی رہی ہیں وہاں خاطر خواہ نتائج مرتب نہیں ہو رہے۔ انہیں بھی علمی تعاون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو آداب زندگی سے بھری ہوئی ہو۔ جسکا مطالعہ دوسری کئی کتابوں سے بے نیاز کر دے۔ ممکن ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کر لی جائے۔

اس کتاب کا اکثر مواد عزیزی عزیزم محمد حنیف صاحب آف باغ نے اکٹھا کیا ہے ان کی شبانہ روز کوششوں سے ہی اس کتاب کی تالیف مکمل ہو سکی ہے۔ فقیر تمام معاونین کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی محبت عطا فرما کر ماسوا کی گرفتاری سے نجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہوجائیں حسیں میرے لئے
اب تو ذوق حسن اپنا یوں کہے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفرین میرے لئے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

فقیر پر تقصیر
ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
کان اللہ له عوضاً عن کل شئی
22 اکتوبر 1998 (جمعرات)

دیباچہ

یہ تصنیف لطیف ۔ عمدۃ المحققین ۔ زبدۃ العارفین ۔ مرشد السالکین حضرت حافظ ذوالفقار احمد مدظلہ العالی کے دست فیض گستر کا شاہکار ہے۔ حضرت محترم چونکہ خود سراپا آداب اسلامی کا مرقع اور شرافت انسانی کا مجسمہ ہیں۔ لہٰذا انکی دلی تمنا ہے کہ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان گوہر آداب آدمیت سے مرقع ہو۔ تجلی شرف انسانیت سے متجلی اور متحلی ہو۔ کیونکہ جس انسان میں آداب و اکرام کا جوہر نہ ہو تو وہ انسان نما حیوان مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم لوگ آج کے ترقی و عروج کے دور میں بھی حیوانی صفات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ جانوروں کی طرح چل پھر کر کھائیں گے۔ گدھوں کی طرح سر بازار کھڑے پیشاب کریں گے۔ نہ نجاست سے بچاؤ کا کوئی خیال، نہ غلاظت سے نفرت کا کوئی جذبہ، نہ حیا، نہ اخلاقی اقدار سے کوئی انس۔ بس دنیا کے دھندے، پیٹ کے بندے، فطرت کے گندے، باطن کے درندے، فضائل انسانی سے عاری، فضائل آدمیت سے تہی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

گر قوت آدمی انسان بدے
گاؤ خر از آدمی بہتر شدے
گر بصورت آدمی انسان بدے
احمد ﷺ و بوجہل ہم یکساں بدے

یعنی اگر طاقتور چیز کا نام انسان ہوتا تو گائے۔ گدھے وغیرہ میں طاقت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا انسان سے بہتر ہوتے اور اگر صورت و شکل کا نام انسان ہوتا تو احمد مجتبیٰ ﷺ اور ابوجہل لعین برابر کے انسان گنے جاتے۔ حالانکہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت والا شان نے انسانی زندگی کے لئے جن آداب کی اشد ضرورت تھی۔ اس تالیف میں ذکر فرما دیئے ہیں۔ اگر کتاب میں کہیں کہیں تکرار ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ لقمے کو جس قدر چبایا جائے وہ زود ہضم بن کر موجب قوت بنتا ہے۔ اور جس اہم بات کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے اسے بھی استاد بار بار دہراتا ہے اور شاگرد کو بھی رٹنے کی تاکید کرتا ہے۔ تاکہ سبق دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ شاید الحمد شریف کا ہر رکعت میں پڑھنا اسی لئے لازم قرار پایا ہوتا کہ یہ خلاصہ قرآن مومن کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے۔ سو تو یہ تکرار بھی اسی مقصد اور اسی غرض سے ہے۔ سالکین طریقت کے لئے یہ کتاب حصول فیض ربانی اور کمالات انسانی کے لئے ایک مرشد کا کام دے سکتی ہے۔ اگر خلوص اور حصول برکت و فیض کی غرض سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

میرے حضرت مکرم کا قلم گوہر رقم صفحہ قرطاس پر شہد معرفت کے قطرے گراتا رہتا ہے۔ جن سے اطفال طریقت مستفیض ہو کر اپنے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ اطفال طریقت بالغان معرفت بن جاتے ہیں۔ کسی نے حضرت لقمان ؑ سے پوچھا کہ انسان کس وقت بالغ ہوتا ہے۔ فرمایا دو طرح سے۔ "اول اینکہ چوں منی از مرد بیروں آید و دوم اینکہ مرد از منی بیروں آید" یعنی ایک یہ کہ مرد سے "منی" باہر آئے اور دوسرا یہ کہ مرد "منی" (میں۔انا) سے باہر آئے۔ تو حضرت والا کی تمام تصانیف کا نچوڑ یہی ہے کہ مرد "منی" سے باہر آ جائے۔ تاکہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا مصداق بن جائے۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت اور تصوف اسی وصف کے متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

الحمدللہ کہ حضرت کی تمام تصانیف کے مسودات پر (نظر ثانی کیلئے) اس عاجز کو یہ سعادت بخشی جاتی ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

خاکپائے اولیاء اللہ۔ عبدالستار نجم

باب نمبر 1

ادب کی اہمیت

انسانی زندگی کے شب و روز کے اعمال مثلاً رہن سہن، میل جول اور لین دین کے عمدہ اصول و ضوابط کو آداب کہا جاتا ہے۔ ان آداب کی پابندی سے ہی انسان تہذیب یافتہ اور شائستہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد آداب زندگی کو ملحوظ رکھے تو دوسرے آدمیوں کو زیادہ آرام پہنچا سکتا ہے اور ان کی تکلیف و ناگواری کا باعث نہیں بنتا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر مسلم اقوام نے مذہب ایک جگہ سے لیا اور آداب دوسری جگہ سے لئے۔ مثلاً نصاریٰ نے مذہب انجیل سے حاصل کیا مگر آداب معاشرت روم اور یونان سے حاصل کئے۔ جبکہ اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس نے ایمان، عبادات، اخلاق اور آداب کے لئے سیرت نبوی ﷺ کو سرچشمہ اور ماخذ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام وحشی سے وحشی قوموں کے پاس قرآن اور اپنے پیغمبر ﷺ کا فرمان لے کر گیا اور ان کو چند روز میں مہذب اور شائستہ بنا دیا۔

دور حاضر کے اکثر مسلمانوں نے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور زندگی گزارنے کے دوسرے طریقوں میں کفار و مشرکین کو اپنا امام و پیشوا بنا رکھا ہے۔ ان خدا

فراموش انسانوں کا جو بھی طریقہ سامنے آتا ہے اسے لپک کر قبول کر لیتے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ایمان تو لائیں محمد عربی ﷺ پر اور طور طریقے پسند کریں ملحدوں اور نصرانیوں کے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اپنے آقا ﷺ کی اتباع کرنے میں خفت محسوس کرنا احساس کمتری اور سراسر بیوقوفی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے آقا ﷺ کی سنتوں پر مرمٹیں...... اہل دنیا کی نظروں میں باعزت ہونے کے خیال سے آخرت کی رفعت و عظمت کو نہ بھولیں۔ آخرت کی ذلت و رسوائی بہت بڑی اور بہت بری ہے۔

بعض لوگ آداب کو اچھا تو سمجھتے ہیں لیکن اہم نہیں سمجھتے۔ یہ بڑی نادانی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ

[مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا]

پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ آداب زندگی سے اپنے عمال کو زینت بخشے۔ یاد رکھیں کہ جو عمل بھی آداب سے خالی ہوگا وہ درحقیقت حسن و جمال سے خالی ہوگا لہذا بارگاہ الٰہی میں ناپسندیدہ ہوگا۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ

[اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے]

قرآن مجید میں موت و حیات کی تخلیق کی غرض یوں بیان کی گئی ہے کہ

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک: ۲)

موت و حیات کو پیدا کیا تا کہ آزمایا جائے کہ تم میں سے کون اعمال کے لحاظ

یکن تو ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال کی کثرت کی بہ نسبت اعمال کا حسن زیادہ محبوب ہے۔ پس مؤمن کو چاہئے کہ ہر عمل میں آداب کی رعایت ملحوظ رکھے۔ ایک روایت میں ہے۔

اَلدِّيْنُ كُلُّهٗ اَدَبٌ. (دین سراسر ادب ہے)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جس کو ادب کی توفیق نصیب ہوئی اسے سعادت ملی اور جو ادب سے محروم ہوا اسے شقاوت ملی۔ گویا باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب۔ علمائے امت نے اہمیت ادب کے عنوان پر اس قدر خوبصورت باتیں کہی ہیں کہ ان میں بعض تو ضرب الامثال کا درجہ پا چکی ہیں۔

مثلاً

اَلْاَدَبُ جُنَّةٌ لِلنَّاسِ (ادب انسانوں کے لئے ڈھال ہے)

لَا مِيْرَاثَ كَالْاَدَبِ (ادب جیسی کوئی میراث نہیں ہے)

ادب اکابرین کی نظر میں:

ادب کی اہمیت سے متعلق اکابرین امت کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

۞......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"پہلے ادب سیکھو پھر علم سیکھو"

۞......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہر شے کی کوئی قیمت ہوتی ہے انسان کی قیمت اس کا علم و ادب ہے۔

۞......حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میرے پاس ایسے شخص کا ذکر آئے جسے اولین و آخرین کا علم ہو مگر وہ

آداب نفس سے کورا ہو تو مجھے اس کی ملاقات میسر نہ ہونے پر کبھی افسوس نہیں ہوتا اور جب کبھی سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص آداب نفس کا حامل ہے تو اس کی ملاقات نصیب نہ ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔

- ......حضرت مخلد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہم کثرت حدیث کی بہ نسبت ادب کے زیادہ محتاج ہیں

- ......فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اسلام کے پانچ قلعے ہیں۔ پہلا یقین، دوسرا اخلاص، تیسرا فرائض، چوتھا تکمیل سنن پانچواں حفظ آداب۔ جب تک آدمی آداب کی حفاظت ونگرانی کرتا رہتا ہے شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑنے لگتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑوانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتی کہ پھر فرائض' اخلاص اور یقین تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

- ......حضرت ابو عبداللہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آداب نفس کا حاصل کرنا علم کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔

- ......حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بے ادب خالق ومخلوق دونوں کا معتوب ومغضوب ہوتا ہے۔

- ......حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

تارک ادب اخلاق محمدی ﷺ سے بہت دور ہوتا ہے۔

- ......حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبداللہ بن حفیف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

یَا بُنَیَّ اِجْعَلْ عَمَلَکَ مِلْحًا وَ اَدَبَکَ دَقِیْقًا. اَیْ اِسْتَکْثِرْ مِنَ الْاَدَبِ حَتّٰی تَکُوْنَ نِسْبَۃُ الدَّقِیْقِ اِلَی الْمِلْحِ

[اے بیٹے اپنے عمل کو نمک بنا اور ادب کو آٹا بنا۔ یعنی ادب میں اضافہ کر حتی کہ کثرت عمل وادب کی نسبت نمک اور آٹے جیسی ہو جائے]

ادب شعراء کی نظر میں:

اہمیت ادب کے عنوان پر دنیا کی مختلف زبانوں میں اشعار کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں پر مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر عربی فارسی اور اردو زبان کا ایک ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

اَدِّبُوا النَّفْسَ اَیُّھَا الْاَصْحَابُ
طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّھَا آدَابُ

(اے دوستو! اپنے آپ کو آداب سکھاؤ اسلئے کہ عشق کے سب طریقے ادب ہی ادب ہیں)

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں اس لئے کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے محروم رہتا ہے۔

باب نمبر 2

بارگاہ الوہیت کا ادب

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہر تعریف اور ہر عبادت اسی کو زیبا ہے اور ہر قولی و فعلی ادب اسی کی جناب کے لائق ہے۔ اس کی بنیادی وجوہ ہیں۔

① اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا اور تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تاریخ انسانیت اس پر گواہ ہے کہ اس دنیا میں جس قدر اللہ تعالیٰ کو چاہا گیا۔ جس قدر اس سے محبت کی گئی، جس قدر اسے یاد کیا گیا، جس قدر اس پر جان و مال نچھاور کیا گیا۔ تنہائیوں میں بیٹھ کر جس قدر اسے پکارا گیا اور جس قدر اس کے سامنے فریادیں کی گئیں کائنات میں کوئی دوسرا اس کے ہم پایہ نہ پایا گیا۔ پس سب عظمتوں اور بلندیوں کی معراج اور محبتوں اور چاہتوں کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس کی جناب میں ہر قولی و فعلی ادب کا لحاظ رکھے۔

② یہ فطری تقاضا ہے کہ اپنے محسن و مربی کا ادب ولحاظ بہر آن و بہر شان ملحوظ رکھا جائے۔ انسان اگر غور کرے تو اپنا انگ انگ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبا ہوا پائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ عزت نہ دے تو انسان ذلیل و خوار، وہ صحت نہ دے تو

انسان بیمار و ناچار، وہ عقل نہ دے تو انسان دیوانہ، وہ سماعت نہ دے تو انسان بہرا، وہ گویائی نہ دے تو انسان گونگا، وہ بینائی نہ دے تو انسان اندھا، پس اللہ تعالیٰ ہی محسن حقیقی ہے۔ جبین نیاز بھی اسی کے آگے جھکے اور ہر ادب بھی اسی کی چوکھٹ پر نچھاور کیا جائے۔ جن مقدس ہستیوں کو معرفت الٰہی نصیب ہوئی ان کی زندگی کا ہر گوشہ ادب کے عطر سے معطر نظر آیا۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید سے مثالیں

① حضرت نوح علیہ السلام کی مثالیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے ساڑھے نو سو سال کوشش کی مگر قوم نوح اپنی ضلالت و گمراہی اور بے ادبی و شقاوت پر ڈٹی رہی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

اِنَّھُمْ کَانُوا قَوْمًا عَمِیْن (بے شک وہ اندھی قوم تھی)

ایک مرتبہ اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور ایذا رسانی سے دلبرداشتہ ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح:۲۶)

(اے پروردگار! زمین پر کافروں کا کوئی بھی گھر سلامت نہ رکھ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے وحی نازل فرمائی کہ آپ کشتی بنالیں عنقریب طوفان آئے گا۔ آپ کو اور آپکے اہل خانہ کو بچالیا جائے گا اور کفار کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کشتی بنائی اور لوگوں کو اس میں سوار کرلیا۔ آپ کا ایک بیٹا نافرمان نکلا اور اس نے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بار بار سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا حتیٰ کہ طوفان میں غرق ہو گیا۔ شفقت پدری نے جوش مارا تو حضرت نوحؑ نے دعا کی

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ (ھود:۴۵)

[اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل خانہ سے ہے بیشک تیرا وعدہ سچا اور تو بڑا حاکم ہے]

اس دعا کا ایک ایک لفظ بارگاہ الوہیت کے ادب کی روشن مثال ہے۔ غور فرمائیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا "اے اللہ! میرا بیٹا غرق ہو گیا اور تیرا وعدہ پورا نہیں ہوا"۔ تاہم ارشاد باری تعالیٰ ہوا!

یَا نُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ

[اے نوح! وہ آپ کے اہل خانہ میں سے نہیں۔ اس کے اعمال ناشائستہ تھے۔ جس کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو جاؤ] (ھود:۴۶)

حضرت نوح علیہ السلام اس تنبیہ خداوندی پر تھرتھرا اٹھے اور یہ کہنے لگے:

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَکُنْ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (ھود:۴۷)

[اے پروردگار! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال

کروں جس کی حقیقت مجھے نہیں معلوم۔ اگر آپ مجھے نہ بخشیں اور رحم نہ فرمائیں تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا]

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں

'' حضرت نوح علیہ السلام کانپ اٹھے اور توبہ کی۔ یوں نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندے کو کیا مقدور ہے۔ چاہیئے کہ اس کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر ایسا نہ ہو اور نہ کرنے کا دل میں عزم رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں بھی یہی ادب ملحوظ ہے''

2 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو توحید کا درس دیا اور اپنے پروردگار کا تعارف ان سے ان الفاظ سے کروایا۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (الشعرا: ۷۹.۸۰)

[وہ رب جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کرنے والا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے]

سبحان اللہ .... اس کلام میں کتنی لطافت ہے کہ صفات (پیدا کرنا، ہدایت دینا، کھلانا، پلانا اور شفاء دینا) کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرار دیا اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ گو کہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے مگر بادی النظر میں بیماری کو عیب سمجھا جاتا ہے لہٰذا بیماری کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

کرنا ادب کے خلاف تھا۔ لہٰذا یوں نہ کہا '' جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے'' بلاشبہ یہ کلام الٰہی اور ادب الٰہی کی بہترین مثال ہے۔

3 حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال:

حضرت ایوب علیہ السلام کو ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے دنیا کی آسودہ حالی عطا فرمائی تھی۔ رزق کی فراخی اس قدر کہ تین ہزار اونٹ، تین ہزار گھوڑے، ایک ہزار بکریاں، پانچ سو حشم و خدم اور پھلوں کے بہت بڑے بڑے باغات عطا کئے۔ اس پر مزید یہ کہ اولاد صالح اور نیک سیرت و خوبصورت بیوی عطا کی۔ مشیت الٰہی سے حضرت ایوب علیہ السلام پر آزمائش کا دور شروع ہوا تو باغات جل گئے' مویشی مر گئے' اولاد مکان کے حادثے میں ہلاک ہوگئی۔ شدید قسم کے بدنی امراض نے آن گھیرا۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر و شکر کا مجسمہ بن گئے۔ ایک موقع پر ان الفاظ میں دعا کی

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۝

[اے پروردگار! میں تکلیف میں مبتلا ہوں اور تو ہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے] (الانبیاء:۸۳)

اس دعا میں عجز و نیاز کا عجیب انداز ہے۔ اگر اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ وَاشْفِنِیْ (اے اللہ مجھے عافیت بخش اور شفا عطا کر) کے الفاظ سے دعا کرتے تو بھی جائز ہوتا مگر شان عبودیت ادب کے متقاضی تھی پس آپ نے صبر اور ادب کا ایسا حسین امتزاج پیش فرمایا کہ پروردگار کی طرف سے پیغام آیا۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۝ (ص:۴۴)

[ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ کتنا ہی اچھا بندہ تھا۔ وہ ہماری ہی طرف رجوع کرنے والا تھا]

اللہ رب العزت نے تین الفاظ ''ابرار'' ''نعم العبد'' اور ''اواب'' کے ذریعے حضرت ایوب علیہ السلام کی عزت افزائی فرمائی۔ قیامت تک ہر مومن تلاوت کے دوران مندرجہ بالا الفاظ سے ادب الٰہی پر ملنے والے اجر کو یاد کرتا رہے گا۔

4 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال:

تاریخ الرسل والملوک میں درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مسلسل سات دن اور راتیں سفر کرنے کے بعد مدین پہنچے تو سخت تھکاوٹ اور بھوک کی حالت میں یوں دعا کی۔

رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۴)

(اے پروردگار تو جو بھی خیر نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْنِی (اے اللہ مجھے کھانا کھلا) کی صورت میں پیش کرتے تو بھی گنجائش تھی مگر آپ نے ایسے الفاظ سے دعا مانگی جو ادب بارگاہ الٰہی کی بہترین مثال ہے۔

5 حضرت خضر علیہ السلام کی مثال:

سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اکٹھا سفر کرنے کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ دوران سفر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کشتی میں سوراخ کر دیا۔ پوچھنے پر فرمایا۔

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا (الکھف: ۷۹)

(سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں)

آگے چل کر دو یتیموں کے مکان کی خستہ دیوار کو نئے سرے سے تعمیر کر دیا۔ پوچھنے پر فرمایا۔

فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّھُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا

[آپ کے پروردگار نے ارادہ کیا کہ یہ دونوں جوان ہو کر اپنے خزانے کو نکالیں] (الکھف: ۸۲)

اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ دونوں کام مشیت الٰہی سے کئے تھے لیکن ادب کی انتہا دیکھئے کہ جس کام میں شر تھا یعنی کشتی میں سوراخ کرنا اسے اَنْ اَعِیْبَھَا کے الفاظ سے اپنی طرف منسوب کیا اور جس کام میں خیر تھی یعنی دیوار بنانا اسے فَاَرَادَ رَبُّکَ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

6 حضرت یونس علیہ السلام کی مثال:

حضرت یونس علیہ السلام پر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے بصد عجز و نیاز بارگاہ الوہیت میں اپنی فریاد درج ذیل الفاظ میں پیش کی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

[اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو بے عیب ہے، بے شک میں ہی تھا (اپنی جان پر) ظلم کرنے والوں میں سے] (الانبیاء: ۸۷)

قرآن مجید کی آیات گواہی دے رہی ہیں کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام اس طرح ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ o لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ o

(اگر وہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان نہ کرتے تو روز محشر تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے) (الصافات:۱۴۳-۱۴۴)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب کائنات کی بارگاہ میں عجز و ادب سے جو بھی فریاد پیش کی جائے گی شرف قبولیت پائے گی۔ آج بھی اکثر اہل اللہ مصیبت زدگان کو اس آیت کریمہ کا ورد بتاتے ہیں۔ رنج و آلام کے دفعیہ کیلئے یہ آیت کریمہ اکسیر اعظم ہے۔

7 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال:

اللہ رب العزت قیامت کے دن عیسائیوں سے پوچھے گا کہ تم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو شریک کیوں بنایا؟ نصاریٰ غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہیں گے کہ انہوں نے ہی ہمیں یہ کہا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

[کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے ساتھ شریک بنا لو] (مائدہ:۱۱۶)

صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ءَاَنْتَ قُلْتَ (کیا تم نے کہا تھا) تو اس کا عام جواب یہی ہے کہ لَمْ اَقُلْهُ (میں نے نہیں کہا) مگر ایسا جواب ادب کے منافی ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام منفی انداز کی بجائے مثبت انداز میں یوں جواب دیں گے۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ:۱۱۶)

[اگر میں نے ایسا کہا ہو گے تو آپ کو معلوم ہو گا۔ (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے آپ اسے جانتے ہیں اور جو آپ کے ضمیر میں ہے میں اسے نہیں جانتا، بے شک تو علام الغیوب ہے]

جب نصاریٰ کا جھوٹ واضح ہو جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی گنہگار امت کی بخشش کیلئے یہ نہیں کہیں گے کہ لَا تُعَذِّبْهُمْ (انہیں عذاب نہ دے) کیونکہ ایسا کہنا آداب خداوندی کے خلاف ہے۔ لہٰذا اپنی درخواست یوں پیش کریں گے

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (مائدہ:۱۱۸)

[اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے]

8 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج کے وقت بارگاہ الوہیت میں مقام "تدلّی" تک پہنچے تو اس قدر باادب اور باوقار کہ رب کائنات نے خود گواہی دی۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی) (النجم:۱۷)۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"یعنی آنکھ نے جو دیکھا پورے تمکن و اتقان سے دیکھا۔ نہ نگاہ (ادب کی وجہ سے) ترچھی ٹیڑھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی نہ حد سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔ بس اس چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا مقصود تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اسے نہ دیکھنا اور جو چیز نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب (بے ادبی) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں

سے پاک تھے‘‘

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل اور بادشاہ وقت تھے۔ ان کا نہایت محبوب وزیر ایاز ایک مرتبہ دربار میں حاضر تھا۔ اچانک اسے وہم گزرا کہ گریبان کا بٹن جلدی کی وجہ سے کھلا رہ گیا ہے۔ چونکہ یہ بات دربار شاہی کے آداب کے خلاف تھی لہذا فوراً اس کا ہاتھ بٹن درست کرنے کے لئے اٹھ گیا عین اسی وقت سلطان محمود غزنوی کی نظر ایاز پر پڑی تو فرمایا ایاز اور یہ حرکت؟ ایاز ساکت وصامت باادب نفس گم کردہ کھڑا رہ گیا۔ یہ تو ایک مخلوق بادشاہ کے دربار کا حال ہے۔ پھر اس احکم الحاکمین کے دربار عالی کا تقاضا ہی یہ تھا کہ نبی اکرم اس ادب سے حاضر ہوتے جس کی تصویر کشی رب کائنات مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کیا الفاظ سے کی۔ باقی اعضاء کی حرکت کا تو مذکور ہی کیا دیدار محبوب میں آنکھ کی ٹکٹکی میں بھی فرق نہ آیا۔ قلب کی توجہ بھی وہیں مرکوز رہی۔ نہ بہکے نہ بھٹکے، سبحان اللہ

امام الصوفیاء علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں (مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی) کو ادب کی درخشندہ مثال سمجھتے ہوئے اپنی کتاب میں ’’باب الادب‘‘ کا آغاز اسی آیت سے کیا ہے۔

سلف صالحین کے واقعات سے مثالیں

① حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ابتدائے جوانی میں محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ غفلت و بے پروائی کی زندگی تھی۔ کم کوش بھی تھے۔ اکثر اوقات نشے میں دھت رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب نشہ ہرن ہوا تو آپ کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلے۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے ایک گرے ہوئے کاغذ پر نظر پڑی۔ دیکھا

کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور آپ نے اس کاغذ کو اٹھایا۔ ازراہ ادب صاف کیا اور کسی بلند جگہ پر رکھ دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا نام کہیں پاؤں تلے نہ آئے۔ جب آپ کام سے فارغ ہو کر واپس گھر پہنچے تو ایک ولی کامل آپ کی ملاقات کے لئے آپ کے گھر آئے اور فرمانے لگے "مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ بشر حافیؒ سے جا کر کہہ دو کہ جیسا تم نے میرے نام کو عزت بخشی اسی طرح میں بھی تمہارے نام کو دنیا میں عزت دوں گا" یہ الفاظ آپ کے دل پر بجلی بن کر گرے۔ آپ توبہ تائب ہوئے اور روحانی دنیا کے مشاہیر اولیاء میں سے ہوئے۔ اللہ کے لفظ کے ادب نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

② حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تشریف لائے۔ مطاف میں آپ کی ملاقات وقت کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک سے ہوئی۔ ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضرت! کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمایئے تا کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا "ہشام! مجھے بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر غیر اللہ سے حاجت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ادب الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہاں فقط اسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔ ’’ہشام لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ قدرتاً جب آپ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔ آپ کو دیکھ کر قریب آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! اب فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ہشام! بتاؤ میں تم سے کیا مانگوں۔ دین یا دنیا؟ ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپ کا شمار وقت کی بزرگ ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا کہنے لگا حضرت! آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ دنیا تو میں نے کبھی خالق و مالک سے

بھی نہیں مانگی بھلا تم سے کہاں مانگوں گا؟ یہ سنتے ہشام کا چہرہ لٹک گیا۔ سچ ہے کہ جن حضرات کو بارگاہ رب العزت میں فریاد پیش کرنے کے آداب آتے ہیں وہ دنیاداروں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

باب نمبر 3

بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب

حدیث قدسی میں وارد ہے

لولاک لما خلقت الافلاک

[اے محبوب ﷺ! اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا]

یعنی اگر محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا میں جلوہ افروز نہ ہونا ہوتا تو یہ جن و بشر، شمس و قمر، شجر و حجر، بحر و بر، پھولوں کی مہک، چڑیوں کی چہک، سبزے کی لہک، سماء و سمک، رفعت و پستی، خوشحالی و بدحالی، زمین کی نرمی، سورج کی گرمی، دریا کی روانی، کواکب آسمانی، خزاں و بہار، بیابان و مرغزار، نباتات و جمادات، جواہر و معدنیات، جنگل کے درندے، ہوا کے پرندے، غرض کائنات کی کسی چیز کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔

گر عرض و سما کی محفل میں لولاک و لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

فخر موجودات سید الاولین محبوب رب العالمین ﷺ وہ ذات ستودہ صفات ہیں کہ

۞ - جن کی خاطر کائنات ہست و بود کو وجود ملا،
۞ - جن کی برکت سے انسانیت کو شعور ملا،
۞ - جن کے گلے میں لولاک کا ہار پہنایا گیا،
۞ - جن کو وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا تاج پہنایا گیا،
۞ - جن کے اسم گرامی سے جنتی درختوں کے ہر ورق کو زینت ملی،
۞ - جن کے نام کی برکت سے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی،
۞ - جن کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سیادت کا تمغہ ملا،
۞ - جن کا کلمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر کندہ تھا،
۞ - جن کے حسن و جمال کا پرتو حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا،
۞ - جن کے صبر کا نمونہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ملا،
۞ - جن کے قرب کا ایک لحظہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکالمات کی صورت میں ملا،
۞ - جن کے مرتبے کا ایک حصہ حضرت ہارون علیہ السلام کو وزارت کی صورت میں ملا
۞ - جن کی نعت کا ایک مصرع حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ بنا،
۞ - جن کی عفت کا شمہ عصمت یحییٰ علیہ السلام کا جلوہ بنا،
۞ - جن کے دفتر حکمت کی ایک سطر حضرت لقمان علیہ السلام کو نصیب ہوئی،
۞ - جن کی رفعت و بلندی کی ایک جھلک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوئی،
۞ - جن کا وجود مسعود دعائے خلیل اور نوید مسیحا بنا،
۞ - جن کی آمد کی برکت سے لشکر ابرہہ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ بنا،
۞ - جن کی ولادت باسعادت سے فارس کے آتش کدے بجھے،

۞ - جن کی زبان فیض ترجمان سے گہوارے میں اللہ اکبر کے الفاظ صادر ہوئے
۞ - جن کو بعثت سے قبل ہی صادق امین کا لقب ملا
۞ - جن کی انگشت مبارک کے اشارے پر چاند دولخت ہوا،
۞ - جن کی رسالت کی گواہی جمادات نے بھی دی،
۞ - جن کے حصے میں معراج کی عظمت آئی،
۞ - جن کے در اقدس کے خاک نشین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بنے،
۞ - جن کے خرمن ایمان کے ریزہ چین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنے،
۞ - جن کے حیا کی کرن سے عثمان رضی اللہ عنہ ذی النورین بنے،
۞ - جن کے بحر علم کی چھینٹوں سے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ باب العلم بنے،
۞ - جن کے شہر کو رب کائنات نے "بلد امین" کہا،
۞ - جن پر نازل ہونے والی کتاب کو "کتاب مبین" کہا،
۞ - جن پر رب کریم اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں،
۞ - جن کی امت کو خیر الامم کے نام سے یاد کرتے ہیں،

اس خاصہ خاصان رسل کے آداب بجالانے کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۝ (فتح:9)

[یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا (تا کہ اے مسلمانو!) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو]

قرآن مجید سے مثالیں

مثال نمبر۱:

ادب نبوی ﷺ سے متعلق قرآن مجید میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:۲)

[اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ہی ان سے بلند آواز میں گفتگو کیا کرو۔ (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو]

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''یعنی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں شور نہ کیا کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ طریقہ خلاف ادب ہے۔ آپ ﷺ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و اکرام کے لہجہ میں، ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو! ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد اپنے استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہیے کہ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ ایسی صورت

میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا خدشہ ہے''

مسند بزار میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت صدیق اکبر ؓ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم اب تو میں آپ ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے'' تفسیر در منثور میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر ؓ بہت دھیمی آواز کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت انس ؓ بن مالک سے روایت ہے کہ انصار کے بلند آواز خطیب حضرت ثابت بن قیس ؓ نے جب یہ آیات سنیں تو گھر میں گوشہ نشیں ہو گئے۔ سعد بن معاذ ؓ نے ایک مرتبہ پوچھا۔ کیا حال ہے؟ تو کہنے لگے۔

شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ

[برا حال ہے۔ میں تو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا]

حضرت سعد بن معاذ ؓ نے جب یہ صورت حال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے جا کر کہہ دو کہ

اِنَّكَ لَسْتَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ لٰكِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

[آپ ہرگز جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہیں] (بخاری: ج۲، ص۷۱۸)

یعنی قدرتاً بلند آواز شخصیت ہونے کی وجہ سے دوران گفتگو آواز قدرے بلند ہو گئی تو معاف کر دیا جائے گا تاہم اپنی طرف سے آواز پست رکھنے کی کوشش کرو کہ یہی ادب کا تقاضا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ ادب جس طرح آپ ﷺ

کی حیات مبارکہ میں لازمی تھا آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی لازمی ہے۔ آج بھی مسجد نبوی ﷺ میں مواجہہ شریف کے سامنے والی دیوار پر یہ آیات لکھی ہوئی موجود ہیں۔ زائرین کو چاہئے کہ روضہ انور پر حاضری کے وقت صلوۃ و السلام پڑھتے وقت اپنی آواز کو پست رکھیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مثال نمبر۲:

قرآن مجید میں جہاں سابقہ امتوں کی اپنے اپنے انبیاء کرام سے گفتگو بیان کی گئی ہے، وہاں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ پیغمبر خدا کو نام لیکر مخاطب کیا کرتے تھے۔ مثلاً بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ (البقرة: ٦١)

(اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یوں کہا

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (مائدة: ١١٢)

(اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب ہمارے لئے آسمان سے مائدہ اتار سکتا ہے؟)

مندرجہ بالا دونوں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ نام لے کر پیغمبر خدا سے گفتگو کیا کرتے تھے، دوسرا انداز گفتگو بھی ایسا جیسا کہ وہ ایک دوسرے

سے ہمکلامی کر رہے ہوں۔ چونکہ یہ بات سوء ادب کے زمرے میں آتی تھی لہٰذا اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کو ایسے طرز کلام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۝

[تم رسول اکرم ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو] (النور: ٦٣)

قربان جائیں صحابہ کرامؓ کی اطاعت وفرمانبرداری اور حسن ادب پر کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب بھی وہ نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے تو یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہتے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتے فداک امی و ابی (آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں) سبحان اللہ

مثال نمبر۳:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (مجادلہ: ١٢)

[اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو]

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین مدینہ نے لوگوں میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے یہ طریقہ اپنایا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے سرگوشی کے انداز میں بات کرتے۔ دیکھنے والوں کو یہ تاثر ملتا کہ یہ بات کرنے والا بڑا اہم آدمی ہے اور کوئی خاص گفتگو کر رہا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمانوں نے بھی غیر اہم باتیں کرنے کے لئے اس روش کو اپنا لیا۔ چونکہ یہ سب کچھ آداب نبوی ﷺ کے

خلاف تھا لہٰذا اللہ رب العزت نے حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم نبی اکرم ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ جب لوگوں نے اپنی غلطی کا احساس ہونے پر یہ عادت ترک کر دی تو رب کائنات نے اس حکم کو منسوخ فرما کر مسلمانوں پر کشادگی فرمادی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ حکم اترا تو منافقین نے بخل کی وجہ سے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا (تو خلاف ادب ہے جو) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

مثال نمبر ۴:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (الحجرات:۱)

[ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے (کسی بھی معاملے میں)]

رب العزت کی سچی فرمانبرداری اس کے رسول ﷺ کی سچی فرمانبرداری میں مضمر ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کا تعلق ادب سے ہوتا ہے لہٰذا اس آیت مبارکہ میں امت مسلمہ کو ادب نبوی ﷺ کی تعلیم دی گئی۔ صحابہ کرامؓ چونکہ نبی علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے لہٰذا انہوں نے دلوں کے تقویٰ کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ظاہری ادب کا اس قدر لحاظ کیا کہ کسی کام میں نبی علیہ السلام سے پہل نہیں کیا کرتے تھے۔ بات کرتے تھے پست آواز کے ساتھ اور بیٹھتے تھے تو اس طرح کہ جیسے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ ان کے سینے عشق نبوی ﷺ سے معمور، ان کے روز و شب اعمال صالحہ سے بھرپور اور ان کی زندگیاں بے ادبی

سے کوسوں دور۔ اس لئے اس جماعت کے متعلق فرمان الٰہی صادر ہوا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (حجرات:۳)

[وہی ہیں جن کے دل جانچے اللہ نے ادب کے واسطے۔ ان کے لئے معافی ہے اور بڑا اجر ہے]

مندرجہ بالا قرآنی آیات کو یکجا کر کے غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ پروردگار عالم نے ایک طرف تو آداب نبوی ﷺ بجالانے کی آیات نازل فرمائیں دوسری طرف ان تمام امور کی بیخ کنی فرمائی جو آداب نبوی ﷺ کے خلاف تھے۔ جہاں آداب بجالانے کا حکم دیا وہاں بے ادبی کی ممانعت بھی فرمادی۔ گویا پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں طرح کے امور کی وضاحت فرمادی۔ صحابہ کرامؓ نے اس باب میں ایسی روشن مثالیں قائم کی ہیں کہ آج بھی امت مسلمہ کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتی ہیں۔ درج ذیل واقعات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے واقعات

مثال نمبر ۱:

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنی ؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر مصالحت کی غرض سے مکہ بھیجا۔ خود بنفس نفیس صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے قریش مکہ سے تفصیلی بات چیت کی مگر انہوں نے مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کئی

دن کی مساعیٔ جمیلہ کے باوجود کوئی امید بر نہ آئی۔ صنادید قریش اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ چند ایک نے حضرت عثمان غنی ؓ کو پیشکش کی کہ اگر آپ خود عمرہ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا، یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے آقا ﷺ کو طواف سے روک دیا جائے اور میں خود طواف کرلوں۔ قریش مکہ کے دلوں پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ غلامانِ رسول ﷺ کو عشق وادب میں اتنا کمال نصیب ہو چکا ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ جب واپس تشریف لائے تو بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا آپ طواف کر آئے ہیں؟ حضرت عثمان غنی ؓ نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال بھی ٹھہرا رہتا اور میرے آقا ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں اپنے محبوب ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا''

حضرت بوصیریؒ نے قصیدہ ہمزیہ میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

وابی یطوف بالبیت اذلم یدن منہ الی النبی فناء
فجزتہ عنہا ببیعت رضوان ید من نبیہ بیضاء
ادب عند مضاعف الاعمال بالترک حبذ الادباء

[حضرت عثمان ؓ نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کیا چونکہ اس کی کوئی طرف نبی اکرم ﷺ کے قریب نہ تھی۔ پس ان کو نبی اکرم ﷺ کے ید بیضا نے بیعت رضوان میں اس نیک عمل کا بدلہ عطا کردیا۔ (تنہا طواف نہ کرنا) ایسا جذبۂ ادب تھا جس کے سبب ان کو (طواف سے) دگنا ثواب ملا۔ اصحاب رسول ﷺ کیا خوب ادب کرنے والے تھے]

حضرت عثمان غنیؓ صفت حیاء وادب میں دوسرے صحابہؓ پر سبقت لے گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے نبی علیہ السلام سے بیعت کی اس وقت سے لے کر آج تک ادب کی وجہ سے میں نے دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔

مثال نمبر۲:

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا تاکہ مصالحت کی شرائط طے کر جا سکیں۔ عروہ انتہائی ذہین اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچتے ہی اس نے ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینا شروع کردیا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کے دوران وہ کن انکھیوں سے صحابہ کرامؓ کی حرکات وسکنات کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش مکہ کے پاس واپس آیا تو اس نے شمع رسالت کے پروانوں کے بارے میں درج ذیل تاثرات بیان کئے۔

یا قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک و وفدت علی قیصر و کسری و النجاشی واللہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظمہ اصحاب محمد محمدا. و اذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضا کادوا یقتلون علی وضوئہ و اذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یجمدون علیہ النظر تعظیما لہ (صحیح مسلم)

[اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے کبھی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد ﷺ کے اصحابؓ ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ تھوک بھی پھینکتے ہیں تو وہ ان کے اصحابؓ میں سے کوئی نہ کوئی اپنے ہاتھ پر لے

لیتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کا پانی لینے کے لئے اصحابؓ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کوئی حکم فرماتے ہیں تو ان کے اصحابؓ اس حکم کی تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ جب وہ کلام فرماتے ہیں ان کے اصحابؓ کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں اصحابؓ انہیں بڑی محبت والفت اور ادب کی نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔]

صحابہ کرامؓ کے ادب نبوی ﷺ کی گواہی اس سے اچھے الفاظ میں دینی مشکل ہے۔ تعریف اگر کسی دشمن کی زبان سے نکلے تو اس کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ آفرین ہے ان مقدس ہستیوں پر جنہوں نے اپنے آداب واخلاق کا لوہا دشمنوں سے بھی منوالیا۔

ادب تاجیست از لطف الٰهی
بنه برسر برو هر جا که خواهی

[ادب ایک تاج ہے جو اللہ تعالیٰ کے لطف ومہربانی سے ملتا ہے۔ اسے اپنے سر پر رکھ اور جہاں چاہے جا (عزت پائے گا)]

مثال نمبر۳:

حضرت عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے چچا تھے تاہم عمر میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا۔

ء انت اکبر منی (کیا آپ مجھ سے زیادہ بڑے ہیں؟)

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عباس ؓ تڑپ اٹھے اور عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ انت اکبر و اعظم انا اسن

(اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بڑے ہیں اور مرتبہ والے ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور بھی منقول ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی صحابیؓ سے پوچھا، تم بڑے ہو یا نبی اکرم ﷺ؟ انہوں نے جواباً کہا، نبی اکرم ﷺ مجھ سے بڑے ہیں البتہ میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔ (کشف الغمہ للشعرانی)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ عام گفتگو میں بھی کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس سے بے ادبی کا شائبہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ ان کے انگ انگ میں اس طرح سما چکا تھا کہ روانی کلام میں بھی خلاف ادب کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا۔

مثال نمبر۴:

شمائل ترمذی میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی شدید ضرورت اور تقاضے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم ﷺ کے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تو وہ ازراہ ادب اپنے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا کہ اطلاع بھی ہو جائے اور زیادہ آواز کہیں طبیعت میں گرانی کا باعث بھی نہ بنے۔

مثال نمبر۵:

قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب معاہدہ حدیبیہ ختم ہونے کا وقت آیا تو قریش مکہ

نے اس کی مدت میں توسیع کروانی چاہی۔ اس اہم کام کے لئے انکی نظر انتخاب ابوسفیان پر پڑی۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے سفیر بن کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر وارد ہوئے۔ ایک چارپائی پر نبی اکرم ﷺ کا مبارک بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے جونہی اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر سمیٹ دیا اور خالی چارپائی کی طرف اشارہ کیا کہ ابا جان تشریف رکھیں۔ ابوسفیان اس صورتحال کو صحیح طرح سمجھ نہ سکے لہٰذا بیٹی سے پوچھا، کیا یہ بستر میرے قابل نہ تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا؟ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ابا جان یہ رسول اللہ ﷺ کا بچھونا ہے۔ ابوسفیان نے کہا، پھر کیا ہوا وہ تیرے شوہر ہیں تو میں تیرا باپ ہوں۔ ام المومنینؓ نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ مشرک ہیں اور نبی علیہ السلام کا بستر پاک ہے۔ مجھے گوارا نہیں کہ آپ کا نجس بدن میرے آقا ﷺ کے بستر پر لگے۔ اس واقعے سے عشق نبوی ﷺ اور آداب نبوی ﷺ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مثال نمبر ۶:

مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دینے کے لئے لکڑی کا ایک منبر بنایا گیا جس کے تین درجے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ دینے کے لئے سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے تو درمیانی درجے پر پاؤں مبارک رکھتے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لئے درمیانی درجے پر بیٹھتے جبکہ پاؤں مبارک نچلے درجہ پر رکھتے۔ جب عمر فاروق ؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کیلئے سب سے نچلے درجے پر بیٹھتے جبکہ پاؤں زمین پر رکھتے۔ جب حضرت عثمان غنی ؓ کا دور آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کردیئے، جب خطبہ دینے کی

ضرورت پیش آتی تو آپ ؓ زیادت کے پہلے درجے پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ادب کے معاملے میں سند رکھتا ہے۔

مثال نمبر ۷:

نبی اکرم ﷺ پر وصال مبارک سے پہلے جب مرض کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر صدیق ؓ مسجد میں نمازوں کی امامت کروائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو نبی اکرم ﷺ کی حیات مقدسہ میں سترہ نمازیں پڑھانے کا شرف نصیب ہوا۔ وصال مبارک سے دو روز قبل حضرت ابوبکر صدیق ؓ نماز ظہر کی امات کروا رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ شدید علالت کے باوجود حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کے کندھوں کا سہارا لے کر جماعت میں شمولیت کے لئے مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر ؓ کو جب اندازہ ہوا کہ سید المرسلین ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو وہ دوران نماز مصلے سے پیچھے ہٹے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا "پیچھے مت ہٹو" پھر نبی علیہ السلام حضرت ابوبکر ؓ کے برابر بیٹھ کر نماز ادا فرمانے لگے۔ حضرت ابوبکر ؓ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرتے اور دوسرے تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیق کی اقتداء کرتے اور اس طرح یہ نماز مکمل ہوئی۔ نماز سے فراغت حاصل ہونے پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ سے پوچھا، آپ دوران نماز پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا:

ما کان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول الله ﷺ

[ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھے]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے عمل کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ صحابہ

کرامؓ اجمعین لَا تُقَدِّمُوْ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ کے فرمان الٰہی پر کس بے ساختگی سے عمل کرتے تھے۔

مثال نمبر ۸:

ایک مرتبہ حضرت فضیلہ بن عبید اسلمی ؓ اور حضرت ابن ورع ؓ تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ ان دونوں کو تیراندازی میں مشغول دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت فضیلہ ؓ سے فرمایا "اے بنی اسماعیل! تم تیراندازی کرو چونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ورع ؓ کے ساتھ ہوں" یہ الفاظ سنتے ہی حضرت فضیلہ ؓ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ ابن ورع ؓ کے ساتھ ہیں تو ادب کی بنا پر میں مقابلے میں تیر نہیں پھینک سکتا۔ یعنی مقابلے کا لفظ برابری کے زمرے میں آتا ہے مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکنے ہی میں کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف)

مثال نمبر ۹:

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دستر خوان پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک طعام کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی علیہ السلام شروع نہ فرماتے۔ چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا بے ادبی سمجھی جاتی ہے اسی لئے صحابہ کرامؓ اجمعین کھانا کھانے میں بھی پہل نہ کیا کرتے تھے۔

مثال نمبر ۱۰:

حضرت ابو محذورہ ؓ کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا اس قدر لمبا گچھا تھا کہ جب آپ ؓ زمین پر بیٹھ کر اپنے بال کھولتے تو وہ بال زمین سے لگ جاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ؓ ان بالوں کو کٹوا کیوں نہیں دیتے۔ آپ ؓ نے جواب دیا میرے ان بالوں کو نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ پیار سے پکڑا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے انہیں کٹوانا چھوڑ دیا۔ عشق و ادب کی انتہا دیکھیے۔ اگر عام آدمی ظاہری نظر سے دیکھے تو اسے یہ بات معمولی نظر آئے گی مگر آداب واکرام کی حدود میں بڑی وسعت ہے۔ ہر انسان کو اس کے نصیب کے بقدر حصہ ملتا ہے۔

مثال نمبر ۱۱:

نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اس مکان کی دو منزلیں تھیں۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ مع اہل وعیال اوپر والی منزل میں ٹھہرے جب کہ نبی اکرم ﷺ نچلی منزل میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ رات کو محوخواب تھے اچانک آنکھ کھلی۔ معاً دل میں خیال آیا کہ نبی اکرم ﷺ نیچے ہیں اور میں اوپر ہوں یہ تو صریحاً بے ادبی ہے۔ چنانچہ بستر سے اٹھ کر کمرے کی دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بصد اصرار آپ ﷺ کو اوپر والی منزل میں ٹھہرایا اور خود مع اہل وعیال نیچے آگئے۔

مثال نمبر۱۲:

در منثور کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کو غسل جنابت کی ضرورت پیش آئی۔اسی حال میں نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔حضرت ابو ہریرہ ؓ جلدی سے کہیں چھپ گئے۔پھر غسل کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم کہاں چلے گئے؟ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے حدث لاحق تھا۔اس ناپاکی کی حالت میں آپ ﷺ سے ملنا مجھے خلاف ادب محسوس ہوا۔اب میں پاک صاف ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ سے نبی اکرم ﷺ نے مصافحہ فرمانا چاہا تو انہوں نے غسل کی حاجت لاحق ہونے کا عذر پیش کیا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ناپاکی کی حالت میں نبی اکرم کے جسم اطہر سے اپنا ہاتھ ملانا خلاف ادب سمجھتے تھے۔

مثال نمبر۱۳:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی محفل نبوی ﷺ میں بیٹھنے ک سعادت ملتی تو وہ اپنی نگاہوں کو ادب کی بناء پر نیچا رکھتے تھے۔حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف فرما ہوتے تو ان میں سوائے ابو بکر ؓ اور عمر ؓ کے کوئی بھی نبی اکرم ﷺ کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ابو بکر ؓ و عمر ؓ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا تعلق بہت خاص تھا۔نبی علیہ السلام ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور وہ نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔گویا عشق و محبت کے قلبی جذبات مسکراہٹوں کی

شکل میں نمودار ہوتے۔

مثال نمبر۱۴:

ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضرت علی ؓ محفل نبوی ﷺ کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں

''جس وقت نبی اکرم ﷺ کلام شروع فرماتے تو آپ ﷺ کے اصحابؓ اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تب حاضرین میں سے کوئی ایک کلام کرتا اور دوران گفتگو آپ ﷺ سے بحث مباحثہ نہ کرتے''

دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت و عقیدت سے ہے۔اہل دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب۔

مثال نمبر۱۵:

سیدنا صدیق اکبر ؓ کے والد محترم حضرت ابو قحافہ ؓ ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیئے۔حضرت ابو بکر ؓ ان ناشائستہ الفاظ کو سن کر بہت خفا ہوئے حتیٰ کہ اپنے والد کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے حقیقت احوال واقعی معلوم کرنے کی غرض سے ابو بکر صدیق ؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ایسے کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا' یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسے نازیبا کلمات کہنے پر میں ان کی گردن اڑا دیتا۔اس پر جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کی

یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: (المجادلہ: ۲۲)

[اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا۔ گو وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا کنبہ قبیلہ کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ انہی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔ اور انکی تائید اپنی روح سے کی ہے۔ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ وہ خدائی لشکر ہے۔ آگاہ رہو بیشک اللہ کے لشکر والے لوگ ہی کامیاب ہیں]

مثال نمبر ۱۶:

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر ؓ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم ﷺ سے بلند آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کو بارگاہ نبوت میں اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ چنانچہ آپ ؓ نے ایک طمانچہ اس زور سے رسید

کیا کہ وہ نبی علیہ السلام کی اوٹ میں جا چھپیں۔

مثال نمبر ۱۷:

ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا۔ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا اعلان فرما دیں گے اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ میری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو جواب دے دیجئے۔ گو کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین تھا مگر ادب نبوی ﷺ کی وجہ سے زبان نہ کھل سکی صرف اتنا کہا۔ "میں نہیں جانتا کیا کہوں"

مثال نمبر ۱۸:

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گفتگو فرماتے تھے پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم بھی (ازراہ ادب) کھڑے ہو جاتے۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

مثال نمبر ۱۹:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الادب المفرد" میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ

سے نبوت کی ظاہری نشانیوں کے متعلق دریافت کیا۔ جب نبی اقدس ﷺ نے نشانیاں بیان فرمادیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو ادب ومحبت سے بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

مثال نمبر۲۰:

حضرت زراع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وفد عبدالقیس کے لوگ جب مدینہ آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاووں سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو (وفورِ محبت وادب سے) چومنے لگے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

مثال نمبر۲۱:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور منبر نبوی ﷺ پر جو جگہ نبی کریم ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا اور تبرکاً اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرلیا۔ (شفاء۔ طبقات ابن سعد)

مثال نمبر۲۲:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بیت المال سے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم کے روزینے مقرر کرنے لگے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیلئے تین ہزار درہم سالانہ مقرر کئے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لئے تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا روزینہ آپ نے مجھ سے زیادہ کیوں مقرر کیا؟ فرمایا کہ اس کا باپ ترے باپ اور وہ خود تجھ سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کو پیارے تھے۔ میں نے نبی کریم ﷺ

کے پیارے کو اپنے پیارے پر فوقیت دی۔ عشق نبوی ﷺ اور ادب نبوی ﷺ کی یہ کتنی درخشندہ مثال ہے۔

وصال مبارک کے بعد ادب نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ کا ادب جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں واجب تھا اسی طرح وفات شریفہ کے بعد بھی واجب ہے۔ سلف وخلف کا یہی مذہب رہا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثال نمبر۱:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر مسجد نبوی ﷺ کے کسی قریبی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ (وفاالوفاء)

مثال نمبر۲:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ دروازہ تیار کریگا تاکہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم ﷺ کو اذیت نہ پہنچے۔ جب دروازہ تیار ہوجائے گا تو اپنی جگہ پر نصب کردیا جائے گا۔

مثال نمبر۳:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی۔ جب سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جاؤ ان دونوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا' طائف سے۔ آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ شہر (مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں درے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

(بخاری شریف)

مثال نمبر۴:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عشاء کے وقت مسجد نبوی ﷺ میں موجود تھے۔ اچانک کسی شخص کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ آپؓ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا، میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ یہ سن کر آپؓ نے پوچھا، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں طائف کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ یاد رکھو اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔

(وفاء الوفاء)

مثال نمبر۵:

ابن حمید سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی ﷺ میں کسی بات پر مباحثہ کیا۔ اس وقت خلیفہ کے ہمراہ پانچ سو شمشیر بند بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالکؒ نے فرمایا اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو...... نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حیات

مبارکہ میں تھا۔ یہ سنتے ہی ابو جعفر کی آواز پست ہوگئی۔

مثال نمبر۶:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی۔ جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اور اس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے۔ ایک طرف تو دیار حبیب سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارہ نہیں۔ محبت وادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔

مثال نمبر۷:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب چلتے۔ پوچھنے پر فرمایا ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں۔ اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہوگی۔

مثال نمبر۸:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس سواری کے لئے بہترین گھوڑے موجود ہیں مگر آپ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس جگہ پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں میں اس جگہ کو گھوڑے کے

سموں سے پامال کروں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جذب القلوب میں لکھا ہے ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ادب نبوی ﷺ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے''۔

مثال نمبر ۹:

ایک مرتبہ کسی شخص نے دوران گفتگو کہا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فتوی دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور کچھ عرصہ کیلئے قید کر دیا جائے۔ کسی نے پوچھا کہ اتنی سختی کیوں؟ فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے۔ جس زمین میں اللہ تعالی کے محبوب ﷺ آرام فرما ہیں وہ اس کے متعلق گمان کرتا ہے کہ اس کی مٹی خراب ہے۔

(شفاء)

ایک شاعر نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

[آسمان کے نیچے عرش الٰہی سے بھی زیادہ نازک یہ ادب گاہ (روضہ اقدس) ہے۔ جنید و بایزید رحمۃ اللہ علیہما جیسی ہستیاں بھی یہاں سانس روک کر حاضری دیتی ہیں]

گویا اس بارگاہ اقدس میں زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے۔ حضرت ثارفتحی نے بھی کیسا خوبصورت شعر کہا ہے۔

یہ شور تنفس بھی ہمیں بار ہوا ہے

مثال نمبر ۱۰:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روضہ اقدس اور مسجد نبوی ﷺ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لَوْ رَاَیْتُمْ مَارَاَیْتُ لَمَا اَنْکَرْتُمْ عَلٰی مَا تَرَوْنَ

[اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے]

یہ اسی ادب نبوی ﷺ ہی کی برکت تھی کہ آپ کو نبی اکرم ﷺ کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا۔ حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ حلیہ میں مثنی بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرم ﷺ کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔

مثال نمبر ۱۱:

حضرت ابوالفضل جوہری اندلسی نے مدینہ طیبہ کے لمبے سفر کا قصد کیا۔ جب شہر کے مکانات نظر آنے لگے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے۔

وَ لَمَّا رَأَیْنَا رَسْماً مَنْ لَمْ یَدَعْ لَنَا
فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَ لَا لُبًّا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَکْوَارِ نَمْشِیْ کِرَامًا
لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَکْبًا

[جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار کی پہچان کے لئے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی۔ پس ہم سواری سے

اتر پڑے اور ذات اقدس کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے جسکی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے]

مثال نمبر۱۲:

شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید، نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

يَا سَائِرًا نَحْوَ الْحِجَازِ مُشَمِّرًا
اِجْهِدْ فَدَيْنَاكَ فِيْ الْمَسِيْرِ وَ فِيْ السُّرٰى
وَ اِذَا سَهِرْتَ اللَّيْلَ فِيْ طَلَبِ الْعُلٰى
فَحُذْرْ ثُمَّ حُذْرْ مِنْ خَدْعِ الْكِرٰى
فَاقْصُدْ حَيْثُ النُّوْرِ يَشْرِقُ سَاطِعًا
وَ الطَّرْفِ حَيْثُ تَرٰى لِثَرٰى مُتَعَطِّرًا
قِفْ بِالْمَنَازِلِ وَ الْمَنَاهِلِ مِنْ لَدُنْ
وَادِيْ قُبَاءِ اِلٰى حِمٰى اُمِّ الْقُرٰى
وَ تُوْخِ آثَارَ النَّبِيِّ فَضَعْ بِهَا
مُتَشَرِّفًا خَدَّيْكَ فِيْ عَفَرِ الثَّرٰى
وَ اِذَا رَاَيْتَ مَهَابِطَ الْوَحْيِ الَّتِيْ
نَشَرَتْ عَلَى الْاٰفَاقِ نُوْرًا اَنْوَارْ
فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ مَا رَاَيْتَ شَبِيْهَهَا
مُذْ كُنْتُ فِيْ مَاضِي الزَّمَانِ وَلَا تَرٰى

(اے حجاز کی طرف چلنے والے!۔میں تجھ پر فدا کہ تو رات دن چلنے میں کوشش کرنا)

(جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے۔ تو اونگھ کے قریب سے بھی بچنا پھر بچنا)
(تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے۔ اور جہاں کی خاک خوشبودار نظر آتی ہے)
(تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا۔ جو وادی قبا کے قریب ام القری کے سبزہ زار تک ہیں)
(پھر نبی اکرمؐ کے آثار کا قصد کرنا۔ انکی زیارت کرتے ہوئے دونوں رخسار کو خاک پر رکھ دینا)
(جو تو وحی اترنے کی جگہ کو دیکھے۔ جنہوں نے تمام دنیا پر نور ہی نور پھیلا دیا)
(تو جان لینا کہ تو نے اس کی مثل نہیں دیکھا۔ نہ اپنے ماضی میں اور نہ ہی آئندہ دیکھے گا)

مثال نمبر۱۳:

بعض مشائخ عظام سفر مدینہ کے لئے پیادہ پا اپنے گھروں سے روانہ ہوئے۔ جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مفرور غلام اپنے آقا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا۔ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو سر کے بل چل کے آتے۔ (الشفاء)

مثال نمبر۱۴:

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت وفات آیا تو بعض لوگوں نے سوچا کہ انہیں گنبد خضری میں دفن کریں گے۔ جب یہ بات ان کے کانوں میں پڑی تو منع کرتے ہوئے فرمایا

"میرا نبی اکرم ﷺ کے نزدیک دفن ہونا میری گستاخی اور نبی علیہ السلام کی بے ادبی ہے۔ میری اوقات کیا ہے کہ میری قبر ان ﷺ کے قریب ہو"

مثال نمبر۱۵:

علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ قبر

مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ بانیء دار العلوم دیو بند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوبصورت اور نازک اندام تھے۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو جوتے نہیں پہنتے تھے۔ سنگلاخ زمین پر پیادہ چلنے سے پاؤں کے تلوے زخمی ہوگئے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! جوتے کیوں نہیں پہن لیتے؟ فرمایا، جس دیار میں میرے آقا ﷺ کے مبارک قدموں کے نشانات ہوں میں انہیں جوتوں سے کیسے پامال کروں' یہ تو سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے۔

؎ یہ خاک مقدس ہے گلابوں کی جبیں سے
آہستہ قدم رکھنا مدینہ ہے مدینہ

سفر حج سے واپسی پر آپ نے شان رسالت ﷺ میں ایک قصیدہ لکھا جس کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

امیدیں لاکھوں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مرغ و مار

مثال نمبر ۱۶:

ایک شخص نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سبز رنگ کا نہایت خوبصورت جوتا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے ہدیہ کو سنت کی نیت سے قبول تو فرمالیا مگر جوتے کو استعمال نہ کیا۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا قاسم کو زیب نہیں دیتا کہ گنبد خضریٰ کا رنگ

بھی سبز ہو اور میرے جوتے کا رنگ بھی سبز ہو۔ سبز رنگ کا جوتا پہننا میرے لئے ایک بے ادبی ہے۔

مثال نمبر ۱۷:

کسی شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک کپڑا پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ مدینہ سے لایا ہوں۔ آپ نے اس کپڑے کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ ایک طالبعلم نے کہا، حضرت یہ تو غیر ملکی کپڑا ہے، مدینے کا بنا ہوا تو نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا جس ملک کا بھی بنا ہوا ہے اسے دیار محبوب ﷺ کی ہوا تو لگی ہے ناں۔ عشق نبوی ﷺ اور ادب نبوی ﷺ کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کا ادب:

وہ شاہ امم، وہ سراپا جود وکرم، وہ ماہ فضل وکمال، وہ سراپا حسن وجمال کہ

- جن کو اللہ رب العزت نے سب نبیوں سے پہلے پیدا فرمایا مگر سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔
- جنہوں نے یوم الست میں سب سے پہلے "بلیٰ" کا نعرہ لگایا
- جن کی مدد و نصرت کی گواہی عالم ارواح میں انبیائے کرام سے لی گئی
- جن کی آمد کی خوشخبری ہر الہامی کتاب میں دی گئی
- جن کے پنگھوڑے کو فرشتے ہلایا کرتے تھے
- جن کے نور ولادت نے دنیا کو جگمگایا
- جن کے حسن و جمال کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا
- جن کے لعاب مبارک نے کڑوے پانی کو میٹھا کر دیا
- جن کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا

- جن کی چشم مبارک اگر محوخواب ہوتی تو بھی دل مبارک بیدار رہتا تھا۔
- جن کا مبارک پسینہ مشک وعنبر سے بھی زیادہ خوشبودار تھا
- جن کے جسم اطہر پر مکھی بھی نہ بیٹھتی تھی
- جن کے بدن مبارک سے نکلنے والی نجاست بھی پاک تھی
- جن کی ولادت باسعادت پر شیاطین کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا
- جن کا قرین اور موکل جن بھی مسلمان ہو گیا
- جن پر درود وسلام بھیجنا امت پر واجب کر دیا گیا
- جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا
- جن کے سر پر نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ کا تاج سجایا گیا
- جن کو وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا مژدہ سنایا گیا
- جن کا وجود مسعود اپنے مرقد اقدس میں حیات حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہے
- جن کا مرقد مبارک عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے
- جن کے مرقد مبارک پر موکل فرشتہ امت کا درود وسلام پہنچاتا ہے
- جن کے حجرہ اور منبر کا درمیانی حصہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے
- جن کو قیامت کے دن مقام محمود عطا کیا جائے گا
- جن کو حوض کوثر کا والی بنایا جائے گا
- جن کی امت قیامت کے دن سب امتوں سے زیادہ ہوگی
- جن سے دین کی تبلیغ پر قیامت کے دن گواہی طلب نہ کی جائے گی
- جن پر نازل ہونے والی کتاب جنت میں بھی پڑھی جائے گی
- جن کی زبان عربی اہل جنت کی زبان بنادی جائیگی

- جن کے خیر مقدم کے لئے کائنات کو دلہن کی طرح سجایا گیا بقول شخصے:

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح قلم نہ ہوتا
زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی اگر وہ شاہ امم نہ ہوتا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو سیدنا رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے ان کی تعظیم تکریم کرنا، حرمین میں آپ ﷺ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا اور وہ چیزیں جو آپ ﷺ کے نام سے پکاری جاتی ہوں یا جن کو آپ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہو، ان سب کا ادب اکرام کرنا درحقیقت نبی علیہ السلام ہی کے اکرام میں داخل ہے۔ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جن محفلوں میں حدیث نبوی ﷺ سنی یا سنائی جاتی ان محفلوں میں با ادب اور باوقار بیٹھتے جس طرح صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باادب ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ حدیث رسول ﷺ کے ادب کو درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا ادب تصور کرتے تھے۔

حدیث مبارک پڑھنے یا پڑھانے اور سننے یا سنانے کی مجالس کے چند آداب درج ذیل ہیں

1. افضل درجہ تو یہ ہے کہ غسل کرلیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم باوضو ہو کر شامل ہونا۔
2. جسم اور کپڑوں پر خوشبو لگانا۔
3. دوزانو ہو کر بیٹھنا۔

④ پڑھنے والے کے لئے حدیث مبارک اونچی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا۔

⑤ جب حدیث مبارک پڑھی جائے تو آواز کو پست رکھنا۔

⑥ سننے والوں کے لئے حدیث مبارک خاموشی سے سننا۔

⑦ حدیث مبارکہ پڑھنے پڑھانے کے دوران اگر کوئی مہمان بھی آجائے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ اٹھنا۔

⑧ اگر کوئی حدیث مبارکہ پہلے پڑھی یا سنی ہوئی ہو تو اسے بھی اس طرح پوری توجہ سے سننا جیسے پہلی دفعہ سن رہا ہو۔

تعلیم حدیث ﷺ میں سلف صالحین کے چند واقعات

حدیث پڑھنے پڑھانے سے متعلق سلف صالحین کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

مثال نمبر۱:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی 198ھ) کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث پاک پڑھی یا سنائی جاتی تو وہ لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کہ اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نیز یہ بھی فرماتے کہ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت خاموش رہنا اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کے دنیا میں ارشاد فرماتے وقت لازم تھا۔

(مدارج النبوت)

مثال نمبر۲:

رئیس التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۳ھ) بیمار ہونے کی وجہ سے ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے ان سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ سائل نے کہا کہ آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی۔ فرمایا میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کروٹ کے بل لیٹے لیٹے بیان کروں۔

(مدارج النبوت: ج۱،ص۵۳۱)

مثال نمبر۳:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 118ھ) اس امر کو مستحب سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث باوضو ہی پڑھائیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ج۱،ص۳۴۴)

مثال نمبر۴:

حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا جب وضو نہ ہوتا اور حدیث بیان کرنا چاہتے تو تیمم کر لیتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج۲،ص۱۹۸)

مثال نمبر۵:

حضرت ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلف صالحین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ بے وضو نبی علیہ السلام کی حدیثیں بیان کریں۔

(جامع بیان العلم: ج۲،ص۱۹۸)

مثال نمبر۶:

حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 175ھ) کتابت حدیث بھی وضو کرکے کیا کرتے تھے (مدارج النبوت ج۱،ص۵۴۳)

مثال نمبر۷:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے صحیح بخاری میں جو حدیثیں بھی درج کی ہے اس سے پہلے میں نے غسل کیا ہے اور دو رکعت نماز پڑھی ہے

" مَا وَضَعْتُ فِیْ کِتَابِ الصَّحِیْحِ حَدِیْثًا اِلَّا غَسَلْتُ قَبْلَ ذٰلِکَ وَ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ" (مقدمہ حاشیہ بخاری:ص۴)

مثال نمبر۸:

خالد بن احمد الذھلی گورنر بخارا نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ گھر آکر میرے لڑکوں کو صحیح بخاری اور تاریخ کبیر پڑھا دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد کو جواب دیا کہ میں علم کی توہین نہیں کرسکتا اور نہ لوگوں کے گھروں میں علم اور کتابیں لئے پھر سکتا ہوں۔ گورنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ اگر ان کو علم کا شوق ہے تو وہ میری مسجد یا گھر میں آکر مجھ سے پڑھ لیا کریں۔ گورنر صاحب کا پیغام آیا کہ اچھا آپ میرے لڑکے کیلئے ایک الگ مجلس منعقد کیا کریں جس میں کوئی دوسرا طالبعلم شریک نہ ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں دین کے بارے میں یہ امتیازی رویہ ہرگز صحیح نہیں سمجھتا۔ گورنر صاحب نے جب یہ کھرا کھرا جواب سنا تو بعض علماء کو جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے حسد تھا ان کے پیچھے لگا دیا اور ایسے حالات پیدا کردیئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کو خیر باد کہتے ہوئے سمرقند تشریف لے گئے۔ وہیں کچھ عرصہ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور سمرقند سے چھ میل دور خرتنگ کے مقام میں مدفون ہوئے۔ (بغدادی: ج۲،ص۳۳)

مثال نمبر۹:

امام قیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 215ھ) کے دروازے پر بادشاہ ابو دلف کا لڑکا مع اپنے خادموں کے حدیث کی روایات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت قیصہ رحمۃ اللہ علیہ نے نکلنے میں کچھ دیر کی تو شہزادہ کے خادموں نے آواز دی۔ شہزادہ دروازے پر ہے اور آپ باہر نہیں آتے؟ حضرت قیصہ رحمۃ اللہ علیہ باہر نکلے تو انہوں نے اپنے تہبند کے کنارے پر خشک روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ جو شخص دنیا سے صرف اس پر راضی ہو وہ شہزادے کو کیا جانتا ہے۔ بخدا میں (شہزادے کی بے ادبی کی وجہ سے) اس سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔ (تذکرہ: ج۱،ص۳۴۰)

مثال نمبر۱۰:

جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آتے تو ایک خادمہ ان لوگوں سے پہلے دریافت کرتی کہ حدیث مبارک کے لئے آئے ہو یا فقہی مسائل معلوم کرنے کے لئے؟ اگر وہ کہتے کہ مسائل معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فوراً نکل آتے۔ اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث مبارکہ کی سماعت کے لئے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غسل کرکے خوشبو لگاتے اور نیا لباس زیب تن کرکے باہر تشریف لاتے۔ آپ کے لئے ایک تخت

بچھایا جاتا جس پر بیٹھ کر آپ حدیث بیان فرماتے۔ اثنائے روایت مجلس میں عود (خوشبو) کی دھونی دی جاتی۔ کسی طالبعلم نے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا، ''میں چاہتا ہوں کہ اس طرح سیدنا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں''۔

مثال نمبر ۱۱:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے احادیث نبوی ﷺ بیان فرما رہے تھے۔ قرأت حدیث کے دوران آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا مگر آپ نے حدیث مبارک کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا تھا کہ ذرا میری کمر دیکھو؟ میں نے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے بتا کیوں نہ دیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ کی عظمت کے لئے صبر کیا۔ (مواہب والشفاء)

مثال نمبر ۱۲:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیق جا رہا تھا۔ دوران گفتگو میں نے ایک حدیث مبارک کی بابت پوچھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث مبارک کی بابت سوال کرو گے۔ (ان کے نزدیک یہ ادب نبوی ﷺ کے خلاف تھا)

مثال نمبر ۱۳:

ایک مرتبہ ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کھڑے

ہونے کی حالت میں ایک حدیث پوچھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث نبوی ﷺ کی یہ بے ادبی اتنی ناگوار گزری کہ اسے سزا کے طور پر بیس کوڑے لگائے۔ پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں۔ یہ دیکھ کر ہشام نے کہا کہ کاش! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجھے اور زیادہ کوڑے مارتے پھر اور اتنی زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

مثال نمبر ۱۴:

ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی جگہ کھڑے تھے۔ اسی دوران قاضی جریر بن عبدالحمید نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے ان کے لئے چند دن کی قید کا حکم دے دیا۔ جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ''قاضی اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے''

مثال نمبر ۱۵:

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ خوش طبع شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا ذکر آتا تو ان پر ادب کی وجہ سے خشوع طاری ہو جاتا تھا۔

مثال نمبر ۱۶:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث میں مشغول تھے کہ انہیں سخت پیاس کی وجہ سے حلق اتنا خشک محسوس ہوا کہ بولنا بھی مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ایک طالب علم سے فرمایا پانی لے آؤ۔ طالبعلم جب گھر پہنچا اور پینے کے لئے پانی طلب کیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت

پریشان ہوئے اور فرمایا " افسوس ہمارے خاندان سے علم رخصت ہوگیا" اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے پانی کے گلاس میں سرکہ ملا کر بھیجا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پی لیا اور انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ پانی میں سرکہ ملا ہوا ہے۔ جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ صورتحال معلوم ہوئی تو فرمایا ''الحمدللہ ابھی ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔''

باب نمبر 4

شعائر اللہ کا ادب

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ○ (الحج:۳۲)

[جو شخص اللہ تعالیٰ کی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہوتا ہے]

شعائر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یادگاروں کو یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کو۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں۔ اعضاء ظاہری ان آثار کے مظہر ہیں۔ باطن کا اثر ظاہر سے نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے۔ اس لئے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف سے منسوب اور نامزد ہو دل و جان سے اس کا ادب واحترام کرے۔

قرآن مجید کے آداب

قرآن مجید کو چھونے کے آداب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:۷۹)

(اس قرآن کو وہی ہاتھ لگائیں جو پاک ہوں)

قرآن مجید اتنی مقدس اور بابرکت کتاب ہے کہ جسے بغیر طہارت کاملہ کے چھونا جائز نہیں۔ طہارت کاملہ سے مراد حدث اکبر (جنابت، حیض ونفاس) اور حدث اصغر (بے وضو ہونا) دونوں سے پاک ہونا ہے۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان لکھا۔ لا یمسه الا طاهر (اسے نہیں چھوسکتا مگر پاک) مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے خود اس خط کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے۔

مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل اپنی بہن کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے پایا اور اوراق دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو بہن نے کہا تو ناپاک ہے اس لئے ان مقدس اوراق کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کر کے طہارت حاصل کی پھر وہ اوراق پڑھے۔

قرآن مجید کو چھونے کے بارے میں چند فقہی مسائل درج ذیل ہیں۔

1. ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے حدث اکبر حدث اصغر سے پاک ہونا ضروری ہے۔

2. قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہو وہ بحکم قرآن ہے البتہ قرآن مجید کا جزودان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اسے ہاتھ لگانا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

3. جو کپڑا آدمی نے پہن رکھا ہو اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں۔ البتہ علیحدہ چادر اور رومال سے چھوا جا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

4. ایسی کتابیں جن میں قرآنی آیات دوسری عبارات سے کم ہوں انہیں بلا وضو چھوا جا سکتا ہے۔ انہی میں بعض کتب تفسیر بھی آجاتی ہیں۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے۔ و الاصح انه لا یکره عنده ابی حنیفه (زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں) البتہ خاص اس مقام کو جہاں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں بغیر وضو کے چھونا گناہ ہے۔ علامہ شامی ردالمختار میں لکھتے ہیں۔ ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها (کتب تفسیر میں خاص آیات قرآن کے مواقع کو (بلا وضو) چھونا جائز نہیں۔

5. کسی کتاب میں قرآن مجید کی آیات کا صرف ترجمہ کسی دوسری زبان میں لکھا گیا ہو تو حقیقت میں وہ قرآن مجید تو نہیں ہوتا مگر ادب قرآن کا تقاضا یہی ہے کہ اسے بھی بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

ولو کان القرآن مکتوبا بالفارسیة یکره لهم مسه عند ابی حنیفه و کذا عندهما.

(اگر قرآن مجید صرف فارسی میں لکھا ہوا ہو تو اسے بلا وضو ہاتھ لگانا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے)

6 . نابالغ بچے کو جو قرآن مجید کے طالبعلم ہوں وہ بغیر وضو کے قرآن مجید کو چھو سکتے ہیں۔ ان کے بار بار وضو کرنے سے جہاں تعلیم و تدریس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے وہاں یہ بھی خدشہ ہے کہ بچے عدم دلچسپی کا شکار نہ ہو جائیں۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

لا باس بدفع المصحف الی الصبیان و ان کانو محدثین

(بچوں کو اس حالت میں قرآن مجید پکڑانا کہ ان کا وضو نہ ہو جائز ہے)

تلاوت قرآن کے آداب:

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب دو طرح کے ہیں۔ ایک آداب ظاہری اور دوسرے آداب باطنی۔ دونوں طرح کے آداب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1 آداب ظاہری:

آداب ظاہری کی تفصیل یہ ہے۔

◎۔ باوضو اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ اگر خوشبو بھی لگا لے تو بہتر ہے۔

◎۔ تلاوت کرتے وقت لباس بھی پاکیزہ ہونا چاہئے۔

◎۔ ایسی جگہ نہ بیٹھے جہاں آنے جانے والوں کو تنگی ہو یا انکی پشت ہونے کا امکان ہو۔

◎۔ قرآن مجید کو تکیہ۔ رحل یا اونچی جگہ پر رکھے۔

◎۔ تلاوت قرآن کا آغاز تعوذ اور تسمیہ سے کرے۔

◎۔ جب دوران تلاوت کوئی سورت آجائے تو تعوذ پڑھنے کی ضرورت نہیں صرف

تسمیہ پڑھا جائے۔

◎۔ جب آغاز تلاوت سورۃ توبہ سے ہو تو تعوذ ضروری ہے اور تسمیہ میں اختیار ہے۔ چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

◎۔ جب دوران تلاوت سورۃ توبہ آجائے تو تعوذ اور تسمیہ دونوں کا پڑھنا ضروری نہیں۔

◎۔ جہاں مختلف لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں وہاں زیر لب پڑھنا بہتر ہے۔

◎۔ اگر تنہائی نصیب ہو تو اونچی آواز سے تلاوت کر سکتا ہے۔ اگر کسی کی تکلیف کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے۔

◎۔ اونچی آواز سے تلاوت کرتے ہوئے اپنے کان یا رخسار پر ہاتھ نہ رکھے کیونکہ یہ گانے والوں کا طریقہ ہے۔

◎۔ قرآن مجید کو تجوید کے اصولوں کے مطابق عمدہ اور صحیح مخارج اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھے۔

◎۔ جتنا ممکن ہو قرآن مجید کو ترتیل سے (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھے۔

◎۔ رموز واوقاف کا خیال رکھ کر تلاوت کرے۔

◎۔ اپنی بساط کے مطابق خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے تاہم راگ اور گانے کی طرز لگانا بے ادبی ہے۔

◎۔ آیات رحمت پر رحمت کی دعا کرے جبکہ آیات وعید پر مغفرت کی دعا کرے۔

◎۔ دوران تلاوت ادھر ادھر دیکھنا بے ادبی میں داخل ہے۔

◎۔ تلاوت کرتے وقت اپنے پاؤں پر ہاتھ نہ رکھے اور نہ ادھر ادھر کی چیزوں کے

ساتھ کھیلے۔ اگر ورق الٹنا پڑے تو انگلی پر تھوک زبان سے نہ لگائے کہ بے ادبی ہے۔

◎۔ دوران تلاوت ناک میں انگلی ڈالنا ادب کے خلاف ہے۔

◎۔ دوران تلاوت کسی سے بات نہ کرے۔ اگر ضروری ہو تو آیت مکمل کر کے قرآن مجید بند کر کے بات کرے۔ اگر ممکن ہو تو رکوع مکمل کر کے کلام کرے۔ دوبارہ تلاوت کرنے سے پہلے تعوذ ضرور پڑھے۔

◎۔ دوران تلاوت آیات عذاب پر رونے کی کوشش کرے تو بہتر ہے۔

◎۔ آیات سجدہ پر سجدہ کرے اگر فوراً نہیں تو بعد میں پہلی فرصت میں سجدہ کرے یہ ان آیات کا حق ہے۔

◎۔ جب طبیعت تلاوت کرتے کرتے تھک جائے تو رک جائے۔ تلاوت کے دوران طبیعت کا انشراح بہتر ہے۔

◎۔ قرآن مجید مکمل کرنے پر دعا کرنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

2 آداب باطنی:

قرآن مجید کی تلاوت کے باطنی آداب درج ذیل ہیں۔

◎۔ کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔

◎۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو دل میں رکھے کہ جس کا کلام ہے۔

◎۔ دل کو وساوس اور خطرات سے پاک رکھے۔

◎۔ معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔

◎۔ جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بنا دے مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے تو دل سرور محض بن جائے اور اگر آیت عذاب زبان پر

ہے تو دل لرز جائے۔

◎۔ اپنے کانوں کو اس درجہ متوجہ بنا دے کہ گویا اللہ تعالیٰ کلام فرما رہے ہیں اور یہ سن رہا ہے۔

تلاوت قرآن سننے کے آداب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

(الاعراف: ۲۰۴)

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو)

دنیا کا دستور ہے کہ اگر کسی محفل میں حاکم کا فرمان پڑھ کر سنایا جائے تو سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور اگر کوئی شور مچائے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔ جب دنیا کے فانی حکام کی یہ شان ہوتی ہے تو پھر احکم الحاکمین کی عظمتوں کا کیا کہنا کہ زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں ہیں۔ پس قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو تو سامعین کو چاہیے کہ حاضر باش اور طالب صادق بن کر خاموشی اور ادب سے تلاوت سنیں اور اپنے سینوں کو رحمتوں کے خزینے بنائیں۔ کلام کا احترام صاحب کلام کی عظمت کے متناسب ہوتا ہے۔ یہ فقط انسانی فطرت کا تقاضا ہی نہیں بلکہ اس میں جنات بھی برابر کے شریک ہیں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابؓ کے ہمراہ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں نماز فجر ادا کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اونچی آواز سے تلاوت فرمائی۔ قریب سے گزرنے والے جنات نے جب نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے قرآن سنا تو ان کے دلوں پر اس کلام مقدس کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو خاموشی سے سننے کی تلقین کرنے لگے۔ قرآن مجید میں

اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا۔

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ

(الاحقاف:۲۹)

[اور یاد کرو جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے۔ پس جب ان کے پاس پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب (قرآن کا پڑھنا) ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے واپس گئے]

مندرجہ بالا آیات سے متعلق چند مسائل و معارف درج ذیل ہیں۔

1. نماز میں جب امام بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ خاموش رہ کر تلاوت سنیں۔ و اذا قرأ فانصتوا (مسلم شریف)

2. خطبہ جمعہ کے دوران چونکہ قرآنی آیات کی بھی تلاوت ہوتی ہے لہذا سامعین کو چاہئے کہ خاموش رہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو نہ نماز ہے نہ کلام)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب امام نماز میں یا خطیب خطبہ میں ایسی آیات کی تلاوت کر رہا ہو جو جنت یا دوزخ سے متعلق ہوں تو سننے والے کو جنت کی دعا اور دوزخ سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وعدہ اس شخص کیلئے ہے جو تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہے۔ جو خاموش نہ رہے اس سے وعدہ نہیں (تفسیر مظہری)

3. خطبہء جمعہ کی طرح خطبہء عیدین میں بھی خاموش رہنا سامعین پر واجب ہے۔ (معارف القرآن)

4. ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں یا آرام کرتے ہوں کسی کے لئے بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ سننے والے نہ سنیں تو گنجائش ہے۔ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ پھر بھی خاموش رہیں اور توجہ سے سنیں۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمود اپنی کتاب "آثار التنزیل" میں لکھتے ہیں۔

"قرآن کے احترام کا تقاضا ہے کہ جب بھی اصلاح و ارشاد یا ذکر و عبادت کے طور پر پڑھا جا رہا ہو تو اس ارشاد کے سامعین اور اس عبادت کے شاملین پوری طرح خاموش رہیں اور ہمہ تن گوش بنیں۔ ہاں جو لوگ اس وقت مخاطب نہ ہوں یا وہ اس عبادت میں شامل نہ ہوں تو وہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ طالبعلم ایک جگہ بیٹھ کر سب کے سب اکٹھے پڑھتے ہیں۔ یہ پڑھنا بطریق ارشاد نہیں بلکہ بطریق مشق ہے۔ پس اس صورت میں یہ پابندی نہیں۔ ورنہ حفظ قرآن اور مشق ناظرہ دونوں متاثر ہوں گے۔ اسی طرح جب نماز ہو رہی ہو تو جو لوگ اس جماعت میں شامل نہیں وہ بھی اس حکم کے پابند نہیں۔ یہ قرآنی آیات انہی لوگوں کو پابند کر رہی ہیں جو شرکائے مجلس ہوں" واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں:

قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں۔ ہر مسلمان کو ان سے حتی الوسع اجتناب کرنا چاہئے۔

1. بغیر وضو قرآن مجید کو چھونا۔
2. کتب تفسیر یا عام کتابوں میں مرقوم قرآنی آیات پر بغیر وضو ہاتھ لگانا
3. نجس جگہ پر بیٹھے ہوئے زبانی یا ناظرہ قرآن مجید پڑھنا۔
4. جب تلاوت کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو تو اس کو خاموشی سے نہ سننا۔

5. قرآن مجید یاد کر کے بھول جانا۔
6. قرآن مجید کے اوپر کوئی کتاب رکھنا خواہ حدیث یا فقہ ہی کی کیوں نہ ہو۔
7. قرآن مجید کے اوپر اپنی عینک، قلم یا ٹوپی وغیرہ رکھنا۔
8. قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلانا۔
9. قرآن مجید نیچے ہونا اور خود قریب ہی اونچی جگہ پر بیٹھنا۔
10. قرآن مجید ایسی جگہ پر رکھنا جہاں آنے جانے والوں کی پشت ہوتی ہو۔
11. تلاوت کے دوران پاؤں کو ہاتھ لگانا یا ناک میں انگلی ڈالنا۔
12. بغیر شرعی عذر کے لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا۔ خواہ ناظرہ ہو یا زبانی۔
13. قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت حقہ یا سگریٹ پینا یا منہ میں نسوار رکھے ہوئے تلاوت کرنا۔
14. ناجائز کاروبار میں "برکت" کے لئے قرآن پڑھنا یا پڑھوانا۔
15. قرآنی حروف والی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء میں جانا۔
16. اخبارات میں قرآنی آیات کی اشاعت کرنا اور پھر انہیں عام کاغذوں کی طرح زمین پر پھینک دینا۔
17. اخبار و رسائل وغیرہ جن میں آیات قرآنی ہوں ان کو دستر خوان وغیرہ کیلئے استعمال کرنا۔
18. قرآن کریم کے نقوش والے کیلنڈر یا کتبوں کی طرف پاؤں پھیلانا۔
19. مونوگرام یا گفٹ کی اشیاء وغیرہ پر آیات لکھنا کہ جس سے بے ادبی کا اندیشہ ہو۔
20. قرآن مجید کی آیات کو مصوری اور خطاطی کے مختلف ڈیزائنوں میں اس طرح لکھنا کہ پڑھنے والے نہ سمجھ سکیں اور غلط پڑھیں سخت بے ادبی ہے۔

21. قرآن مجید کو میت کے ساتھ قبر میں رکھنا۔
22. قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو عام کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں پھینکنا (اگر ضرورت پیش آئے تو ایسے اوراق کو جمع کر کے نہر یا دریا کے پانی میں بہا دینا چاہئے)
23. قرآنی آیات والا کاغذ کھلی حالت میں بیت الخلاء لے جانا (اگر چاندی چمڑے وغیرہ میں بند ہو تو مستثنیٰ ہے)
24. آیات قرآنی یا قرآن مجید کو حقیر سمجھتے ہوئے آگ میں ڈالنا۔
25. لہو و لعب کی مجالس کی ابتداء تلاوت قرآن سے کرنا۔
26. جس نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور گمان کیا کہ کوئی شخص اس سے افضل چیز کا حامل ہے تو اس نے کلام اللہ کی توہین کی۔

سلف صالحین اور قرآن مجید کا ادب:

ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں آدمیوں کو خرید و فروخت کے کسی معاملے میں جھگڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے یہ کہا کہ میری اور تمہاری مثال قرآن کی اس آیت کی طرح ہے۔

إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا ○ (ص:۲۳)

(یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک شخص چیختے چلاتے جھگڑا کرتے ہوئے اس طرح قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا ہے جیسے کسی عام انسان کی

بات نقل کر رہا ہو تو غصہ اور افسوس کی وجہ سے ان پر خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ جب طبیعت سنبھلی تو انہوں نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے شخص! تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ تو نے کلام الٰہی کو معمولی بات چیت بنالیا۔ قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ خشوع سے پڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ پروردگار کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ تجھ میں کلام الٰہی کا ادب نہیں پایا جاتا۔ تیری عقل جاتی رہی ہے اور تو نے کلام الٰہی کو لہو لعب بنالیا ہے۔

محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی کدورت تھی۔ وہ مجھے اس لئے ناپسند تھے کہ ارباب اقتدار سے رابطہ رکھتے تھے۔ لیکن جس دن سے میں نے انہیں کلام الٰہی کا اتنا ادب کرتے دیکھا یہ انقباض اس دن سے ختم ہوگیا اور مجھے ان سے محبت ہوگئی۔

(علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات)

بیت اللہ شریف کا ادب

کعبۃ اللہ چونکہ اوّل عالم، وسط عالم اور مرکز عالم ہے، منبع انوار و تجلیات ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے لہٰذا اس کا احترام درحقیقت اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ بیت اللہ شریف میں معصیت کا ارتکاب عام جگہوں کی نسبت بہت سنگین ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (حج:۲۵)

تفسیر ابن کثیر کے مطابق اس آیت میں الحاد سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو دو خیمے لگاتے۔ ایک حرم کے اندر اور دوسرا حرم سے باہر۔ اگر اپنے اہل وعیال یا خدام و متعلقین میں سے کسی کو کسی بات پر سرزنش کرنا چاہتے تو بیرون حرم والے خیمے میں کرتے۔ لوگوں نے دو خیموں کی مصلحت دریافت کی تو فرمایا کہ انسان عتاب و ناراضگی کے وقت کلا۔ واللہ۔ بلی واللہ کے الفاظ بولتا ہے تو یہ الحاد فی الحرم میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا۔ جب تک کہ عمل نہ کرے۔ لیکن حرم میں گناہ کا پختہ ارادہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے۔

بیت اللہ شریف کی بے ادبی کی مختلف صورتیں:

- حدود حرم میں لڑنا جھگڑنا یا گالی گلوچ کرنا۔
- حدود حرم میں زنا کرنا یا بری نیت سے غیر محرم کو دیکھنا۔
- لہسن پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھا کر حدود حرم میں داخل ہونا۔
- تمباکو یا سگریٹ وغیرہ پینے کے بعد کلی کئے بغیر حرم محترم میں داخل ہونا۔
- پسینہ کی بدبو والے کپڑے پہن کر حرم محترم میں داخل ہونا۔
- اگر کسی خوش نصیب کو کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونا نصیب ہو تو اس کے لئے چھت کی طرف دیکھنا بے ادبی ہے۔
- بغیر کسی عذر اور وجہ کے بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھنا۔
- حرم محترم کی نیت سے جانے والے لوگوں کو ایذا پہنچانا۔
- دنیاوی اغراض لے کر مکہ مکرمہ جانا اور حرم محترم کی زیارت نہ کرنا۔
- پیشاب پاخانہ کرتے وقت بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنا۔

- اگر کوئی عورت چھوٹے بچے کو پیشاب کرواتے وقت قبلہ رخ کرے گی تو اس بے ادبی کا وبال اس عورت پر ہوگا۔
- بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکنا۔
- بیت اللہ شریف کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا لیٹنا۔
- طواف کے دوران بیت اللہ شریف کی طرف بلاوجہ دیکھنا۔
- بغیر وضو بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونا۔
- مسجد الحرام میں داخل ہو کر دنیا کی باتیں کرنا۔
- مسجد الحرام میں داخل ہو کر چیخنا یا چلانا۔
- مسجد الحرام میں بیٹھ کر ریح خارج کرنا۔

باب نمبر 5

والدین کا ادب

خالق کائنات نے اپنی صفت رحمت کا ایسا پرتو ماں باپ کے قلوب پر ڈالا ہوتا ہے کہ انہیں اولاد کے ساتھ فطری محبت وشفقت کا تعلق نصیب ہوتا ہے۔ اس محبت کے مناظر پرندوں اور چرندوں تک میں نظر آتے ہیں۔ چڑیا ایک ننھی منی سی جان ہے مگر اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے گھونسلہ بناتی ہے۔ دانہ دنکا چن کر لاتی ہے۔ اپنی چونچ میں پانی بھر بھر کر لاتی اور بچوں کو پلاتی ہے۔ مرغی کو دیکھئے کہ کمزور سہی مگر بچوں کی حفاظت کیلئے بلی سے بھی ٹکرا جاتی ہے۔ انسان تو بہر حال اشرف المخلوقات ہے۔ عقل کے نور سے منور ہے۔ اسے اولاد کے ساتھ محبت کا ہونا ایک قدرتی اور قابل فہم بات ہے۔ اسی محبت کی بنا پر ماں باپ اپنا سب کچھ اولاد کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات طشت از بام ہو جاتی ہے کہ جب والدین اپنی اولاد کی پرورش کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تو اولاد کو بھی چاہئے کہ ماں باپ کا ادب واحترام کریں اور ان کی خدمت واطاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس

حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

تورات میں حکم الٰہی:

- تورات میں حقوق العباد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''تو اپنے والدین کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو تیرا خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو''

- دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

تم میں سے ہر ایک اپنے والدین سے ڈرتا رہے (احبار 18-3)

- ایک اور جگہ فرمایا:

''اور جو کوئی اپنے باپ اور اپنی ماں پر لعنت کرے وہ مار ڈالا جائے گا۔ جس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر ہے''

انجیل میں حکم الٰہی:

- متی کی انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو کوئی ماں باپ پر لعنت کرے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم یہ کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے ماں باپ سے کہے کہ جو کچھ مجھے تمہیں دینا واجب ہے سو خدا کی نذر ہوا اور اگر کوئی اپنے ماں باپ کی عزت نہ کرے تو گویا اس نے حکم الٰہی کو باطل کیا''

انبیائے سابقین کے حالات:

(1) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مکاشفۃ القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"اے موسیٰ! جس نے والدین کی فرمانبرداری کی مگر میری نافرمانی کی میں پھر بھی اسے نیک لوگوں میں لکھ دیتا ہوں۔ لیکن جو میرا فرمانبردار ہونے کے باوجود اپنے والدین کا نافرمان ہو میں بھی اسے نافرمانوں میں شمار کرتا ہوں"

(2). ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے گھر تشریف لائے تو وہ استقبال کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ نے اپنے والد کے ادب میں کمی کی۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، میں آئندہ تمہاری صلب سے کوئی نبی پیدا نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی بے ادبی کا اثر آئندہ نسل ونسب پر بھی پڑتا ہے۔
(سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی)

قرآن مجید میں حکم الٰہی:

(1) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ○ وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ○

(الاسراء ۲۳،۲۴)

[اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم ان کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو۔ اگر

تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں کبھی اف بھی نہ کہو اور یوں دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی]

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہاں ''قضی'' کے معنی حکم فرمانے کے ہیں۔ تاکیدی حکم الٰہی جو کبھی ٹلنے والا نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے ولدین کی اطاعت کرو۔ اس آیت مبارکہ میں والدین کے پانچ آداب سکھائے گئے ہیں۔

ادب نمبر ا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (پس ان کے سامنے ''اف'' بھی نہ کرو) تفسیر بیان القرآن میں اف کا مطلب ''اوہوں'' کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اف سے مراد ایسا کلمہ کہنا ہے جس سے والدین کو ناگواری ہو۔ یہاں تک کہ والدین کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ناگواری ظاہر ہو وہ بھی کلمہ "اف" میں داخل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایذا رسانی میں اگر "اف" سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو بھی اف نہ کرو۔ خود ہی سوچو کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے ہوئے اف تک نہیں کیا کرتے تھے۔

ادب نمبر ۲:

فرمایا وَلَا تَنۡهَرۡهُمَا (ان دونوں کو انکار نہ کرو)

اگر والدین کسی ایسی بات کا تقاضا کریں جو شرعی حدود و قیود کے مطابق ہو اور اولاد تھوڑی بہت پریشانی اٹھا کر وہ تقاضا پورا کر سکتی ہو تو بھی ماں باپ کو انکار نہ کرے۔ اولاد کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ والدین کوئی بھی جائز کام کہیں تو اس کے جواب میں ہمیشہ منہ سے ہاں ہی نکلے۔ گویا اپنی بساط کے مطابق "ناں" کے لفظ پر لکیر پھیر دے۔

ادب نمبر ۳:

فرمایا:

وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا (اور ان سے ادب سے بات کرو)

اکابرین امت سے "قول کریم" کی درج ذیل تفصیلات منقول ہیں۔

- حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ قول کریم کا کیا مطلب ہے انہوں نے ارشاد فرمایا، ان کو اماں ابا کہہ کر خطاب کرے۔ نام لے کر نہ پکارے۔
- حضرت زہیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قول کریم کی تفسیر میں لکھا ہے

اِذَا دَعَوَاكَ فَقُلۡ لَبَّيۡكُمَا وَ سَعۡدَيۡكُمَا (درمنثور)

(جب ماں باپ تجھے بلائیں تو کہو میں حاضر ہوں اور تعمیل کے لئے موجود ہوں)

- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنا ہاتھ ان کی طرف بے ادبی سے نہ بڑھانا بلکہ عزت اور احترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا ان کی رضامندی کے کام کرنا دکھ نہ دینا وغیرہ۔
- حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید میں حسن

سلوک کا حکم تو کئی جگہ پر ہے اور میں اسے سمجھ گیا ہوں' لیکن قولاً کریمًا کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آقا بہت جابر اور سخت مزاج ہو تو جس طرح اس کا زرخرید اور خطا کار غلام نرمی اور لجاجت سے بات چیت کرتا ہے اس طرح ماں باپ سے بات کی جائے۔

◆ درمنثور میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ قولاً لینا سھلا (نرم لب ولہجہ میں سہل طریقہ سے بات کرو)

پس والدین سے گفتگو کرتے ہوئے عاجزی اور ادب کا ہر دم لحاظ رکھے۔ سھلا اس لئے فرمایا کہ والدین سے گفتگو اس طرح کرے کہ انہیں بار بار پوچھنا نہ پڑے کہ کیا کہا؟ کیا مطلب ہے؟ یعنی کسی طرح کی الجھن محسوس نہ کریں۔

ادب نمبر ۴:

فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (اور ان کے سامنے شفقت اور انکساری سے جھکے رہنا)۔ اکابرین امت سے اس آیت کی درج ذیل تفصیلات منقول ہیں۔

- تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ والدین کے سامنے تواضع' عاجزی' فروتنی اور خاکساری سے رہنا بات چیت کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ نہ اٹھانا (جیسے ہم عمر لوگوں میں بیٹھ کر کرتے ہیں)
- درمنثور میں حضرت زبیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ والدین اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو جواب میں یوں کہو: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔
- حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں والدین کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے فرمایا۔ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے انکو مت دیکھو۔ یہ اس لئے کہا کہ آدمی کی اوّل ناگواری اس کی آنکھ ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ نگاہ بھر کر دیکھنا تو بالکل ظاہر باہر گستاخی ہے۔ ترچھی نگاہ سے اس وقت دیکھا جاتا ہے جب اپنی نفرت کو چھپانا مقصود ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ ترچھی نگاہ بھی گستاخی ہے اسے معمولی نہ سمجھیں۔

ادب نمبر ۵:

فرمایا :

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ۝ (الاسراء:۲۴)

(اور کہو اے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما کیونکہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)

سبحان اللہ! کیا خوب آداب سکھائے گئے۔ پہلے اور دوسرے ادب میں (اف نہ کہنے اور جھڑکنے کی مذمت) میں والدین سے منفی انداز اختیار نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسرے اور چوتھے ادب (قول کریم اور عاجزی) میں مثبت انداز اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ پانچویں اور آخری حکم میں دعائیہ کلمات کہنے کا حکم دیا گیا۔ گویا جب انسان وہ سب کچھ کر لے جو اس کے بس میں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگے اور یوں سمجھے کہ اتنا کچھ کر کے بھی میں والدین کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کروا رہا تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الانعام :۱۵۱)

[آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں سناتا ہوں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو]

اس آیت کی تفسیر میں مختلف مفسرین کے اقوال درج ذیل ہیں۔

- مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ آیات محکمات ہیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام شریعتیں متفق رہیں۔ ان میں سے کوئی چیز کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ بالا آیت (قل تعالوا) کو پڑھ لے۔
- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سورہ انعام میں چند آیات محکمات ہیں جوام الکتاب ہیں پھر قُلْ تَعَالَوْا والی آیت پڑھتے تھے۔
- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا۔ پھر نبی علیہ السلام نے قُلْ تَعَالَوْا والی آیتیں آخر تک پڑھیں اور فرمایا جو ان تین باتوں کی تعمیل کرے گا اس کا اجر اللہ پر ثابت ہے۔ اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں سزا دے اور اگر معاملے کو آخرت تک اٹھا رکھے تو اس کی مرضی۔ چاہے عذاب دے چاہے معاف کردے۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہ وَ بِالْوَالِدَیْنَ اِحْسَانًا ۔ (بقرۃ: ۸۳)

(اور جب ہم نے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ نیک کا سلوک کرو گے)

اس آیت مبارکہ میں بھی توحید باری تعالیٰ پر عہد لیا گیا اور اسی آیت میں والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (نساء:۳۶)

(اور اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو)

درمنثور میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کس طرح کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو ان پر اپنا مال خرچ کر اور وہ تجھے جو حکم بھی دیں اس کی تعمیل کر۔ ہاں اگر گناہ کا حکم کریں تو وہ کام نہ کر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (لقمان:۱۴)

(تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تنبیہ الغافلین میں بعض تابعین کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ماں باپ کا شکر ادا کرنے سے مراد ان کے لئے دن میں پانچ مرتبہ دعا کرنا ہے۔

مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری اپنی کتاب "حقوق الوالدین" میں لکھتے ہیں۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر صرف زبان سے چند کلمات شکر کہنے سے ادا نہیں ہوتا بلکہ پوری زندگی میں ظاہر و باطن سے احکام کی تعمیل کا نام شکر ہے۔ اسی طرح ماں باپ کی شکر گزاری فقط اچھے بول بول دینے سے، انکی تعریف کر دینے سے، اور ان کی تکالیف کا اقرار کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ ماں باپ کی فرمانبرداری اور جان و مال سے انکی خدمت گزاری اور ان کی نافرمانی سے بچنا ہی ان کی شکر گزاری ہوتی ہے"

قرآن مجید کی مندرجہ بالا پانچ آیات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ آج کی ترقی یافتہ قومیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان آداب کی ایک جھلک بھی ان کے معاشرے میں نظر نہیں آتی۔ یورپی ممالک میں جب اٹھارہ سال کی عمر پوری ہوتی ہے تو بچے اپنے ماں باپ سے یوں الگ ہو جاتے ہیں جیسے انہوں نے دشمنوں سے رہائی حاصل کر لی ہو۔ بعض تو اپنی جوانی کے نشے میں سرشار ہو کر ماں باپ کو اس طرح بھول جاتے ہیں جس طرح آج کا انسان گناہ کبیرہ کر کے بھول جاتا ہے۔ جدید سائنسی علوم اور مادی ترقی کے باوجود دلوں میں ایثار اور وفا نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بقول شاعر:

اٹھ گئی وفا یوں زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

انسانیت رہتی دنیا تک محسن انسانیت فخر دو عالم ﷺ کی مقروض رہے گی جنہوں نے اخلاق و آداب کا انمول درس دے کر نفرتوں کو محبتوں سے اور دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل ڈالا۔ اولاد کو والدین کے آداب اس حد تک سکھائے کہ اگر

کوئی بچہ اپنے والدین کے چہرے پر محبت وعقیدت کی نظر ڈالے تو ہر نگاہ کے بدلے حج مقبول کا ثواب پائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ 'مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً. قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِاَةَ مَرَّةٍ' قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ اَطْيَبُ

[حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے والی اولاد جب بھی الفت و رحمت کی نظر سے ماں باپ کو دیکھے تو ہر نظر کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لئے مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ حاضرین مجلس نے پوچھا' اگر روزانہ سو مرتبہ نظر کرے (تب بھی یہی بات ہے) نبی علیہ السلام نے فرمایا ہاں' اللہ بہت بڑا ہے (جس کو جو چاہے دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا) اور وہ بہت زیادہ پاک ہے (اس کی طرف نقصان اور کمی کی نسبت درست نہیں ہے] (مشکوۃ المصابیح: ج ۲، ص ۴۲۱)

اولاد کا والدین سے محبت کرنا ایک فطری جذبہ ہے کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن رحمت الٰہی کا اندازہ لگائیں کہ اس فطری باہمی محبت کے اظہار پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا اجر عطا فرماتے ہیں۔

ایک دلچسپ اور نصیحت آموز واقعہ:

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ

میرے والد نے میرا سب مال لے لیا ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ۔اسی وقت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس لڑکے کا والد آ جائے تو آپ ﷺ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں۔اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔جب وہ نوجوان اپنے والد کو لے کر آیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں۔والد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ اسی سے پوچھ لیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔نبی اکرمؐ ﷺ نے فرمایا کہ ایہ (بس حقیقت معلوم ہو گئی) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے والد سے دریافت فرمایا وہ کلمات کیا ہیں جو تم نے دل میں کہے اور تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں۔(یعنی جو بات کانوں نے نہیں سنی اس کی آپ ﷺ کو اطلاع ہو گئی) پھر اس نے کہا کہ میں نے چند اشعار دل میں پڑھے تھے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔اس صحابی رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اشعار پڑھے۔

غَذَوْتُکَ مَوْلُوْدًا وَ صُنْتُکَ یَافِعًا
تُعَلُّ بِمَا اَجْنِیْ عَلَیْکَ وَ تُنْهَلُ
اِذَا لَیْلَۃٌ ضَافَتْکَ بِالسُّقْمِ لَمْ اَبِتْ
لِسُقْمِکَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ
کَاَنِّیْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَکَ بِالَّذِیْ
طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِیْ فَعَیْنِیْ تَهْمُلُ

تَخَافُ الرَّدٰی نَفْسِیْ عَلَیْکَ وَاِنَّھَا
لِتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلٗ
فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَ الْغَایَتَ الَّتِیْ
اِلَیْھَا مَدٰی مَا کُنْتُ فِیْکَ اُؤَمِّلُ
جَعَلْتُ جَزَائِیْ غِلْظَةً وَ فَظَاظَرًّ
کَاَنَّکَ اَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ
فَلَیْتَکَ اِذْلَمْ تَرْعَ اَبُوَّتِیْ
فَعَلْتُ کَمَا الْجَارُ الْمُصَاقِبُ یَفْعَلُ
فَاَوْلَیْتَنِیْ حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَکُنْ
عَلَیَّ بِمَالٍ دُوْنَ مَالِکَ تَبْخَلُ

میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی۔ تمہاری ہر ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کچھ میری کمائی سے تھا۔
جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری پیش آ گئی تو میں نے رات نہ گزاری۔ وہ رات مگر سخت بیداری اور بیقراری کے عالم میں۔
مگر ایسے جیسے کہ بیماری تمہیں نہیں مجھے لگی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے تمام شب روتے ہوئے گزار دیتا۔
میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا اور بیشک۔ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔
جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے کہ جس عمر کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔
پھر تم نے میرا بدلہ سخت روئی اور سخت گوئی بنا لیا۔ گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔

کاش! اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔

تو نے کم از کم مجھے پڑوسی کا حق دیا ہوتا۔ میرے ہی مال میں مجھ سے بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔

حضور اکرم ﷺ نے جب یہ سنا تو بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا:

اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ (کہ تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے)

(معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

والدین کے ادب کے ثمرات:

واقعہ نمبر ا:

بنی اسرائیل کا ایک یتیم بچہ ہر کام اپنی والدہ سے پوچھ کر انکی مرضی کے مطابق کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک خوبصورت گائے پالی اور ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ ایک مرتبہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس بچے کے سامنے آیا اور گائے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بچے نے قیمت پوچھی تو فرشتے نے بہت تھوڑی قیمت بتائی۔ جب بچے نے ماں کو اطلاع دی تو اس نے انکار کر دیا۔ فرشتہ ہر بار قیمت بڑھاتا رہا اور بچہ ہر بار اپنی اماں سے پوچھ کر جواب دیتا رہا۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو بچے نے محسوس کیا کہ میری والدہ گائے بیچنے پر راضی نہیں ہیں لہٰذا اس نے فرشتے کو صاف انکار کر دیا کہ گائے کسی قیمت پر نہیں بیچی جا سکتی۔ فرشتے نے کہا کہ تم بڑے خوش بخت اور خوش نصیب ہو کہ ہر بات اپنی والدہ سے پوچھ کر کرتے ہو۔ عنقریب تمہارے پاس کچھ لوگ اس گائے کو خریدنے کے لئے آئیں گے تو تم اس گائے کی خوب بھاری قیمت لگانا۔

دوسری طرف بنی اسرائیل میں ایک آدمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور انہیں جس گائے کی قربانی کا حکم ملا وہ اسی بچے کی گائے تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لوگ جب اس بچے سے گائے خریدنے کیلئے آئے تو اس بچے نے کہا کہ اس گائے کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا ادا کرنے کے برابر ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے اتنی بھاری قیمت ادا کر کے گائے خرید لی۔ تفسیر عزیزی اور تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن میں لکھا ہے کہ اس بچے کو یہ دولت والدین کے ادب اور ان کی اطاعت کی وجہ سے ملی۔ تفسیر طبری میں بھی اسی طرح کا واقعہ منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت و ادب کا کچھ صلہ اس دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے۔

واقعہ ۲:

بنی اسرائیل کے تین آدمی اکٹھا سفر کر رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ تینوں نے بھاگ کر ایک قریبی پہاڑ کی غار میں پناہ لے لی۔ اسی دوران ایک چٹان اوپر سے گری جس سے غار کا منہ بند ہوگیا۔ غار کے اندر اندھیرا ہوگیا۔ سانس گھٹنے لگا حتیٰ کہ تینوں کو موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ بارگاہ الٰہی میں اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا، اے پروردگار عالم! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، میں سارا دن بکریاں چراتا تھا اور شام کو گھر واپس آ کر ان بکریوں کا دودھ اپنے والدین کو پلاتا تھا۔ ایک دن گھر واپس آنے میں تاخیر ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ اے اللہ! میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر انتظار کرتا رہا کہ جب ان کی آنکھ کھلی تو دودھ پیش کروں گا۔ اسی حال میں میری ساری رات گزر گئی۔ رب کریم! اگر میرا یہ عمل آپ کی نظر میں مقبول

ہے تو اس کی برکت سے چٹان کو دور فرما۔ چنانچہ چٹان اپنی جگہ سے سرک گئی اور غار کے منہ کا تیسرا حصہ کھل گیا۔ پھر دوسرے اور تیسرے نے دعا مانگی حتیٰ کہ چٹان ہٹ گئی اور ان لوگوں کی جان میں جان آئی۔ (بخاری شریف: ج ۱، ص ۴۹۳)

واقعہ ۳:

ایک نوجوان اپنے والدین کا بڑا ادب کرتا تھا اور ہر وقت ان کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ جب والدین کافی عمر رسیدہ ہو گئے تو اس کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اپنی جائیداد کو والدین کی زندگی ہی میں تقسیم کر لیا جائے تا کہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو۔ اس نوجوان نے کہا کہ آپ جائیداد کو آپس میں تقسیم کر لیں اور اس کے بدلے مجھے اپنے والدین کی خدمت کا کام سپرد کر دیں۔ دوسرے بھائیوں نے برضا و رغبت یہ کام اس بھائی کے سپرد کر دیا۔ یہ نوجوان سارا دن محنت مزدوری کرتا پھر گھر آ کر بقیہ وقت اپنے والدین کی خدمت اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال میں گزارتا۔ وقت گذرتا رہا حتیٰ کہ اس کے والدین نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ایک مرتبہ یہ نوجوان رات کو سو رہا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اسے کہہ رہا ہے، اے نوجوان! تم نے اپنے والدین کا ادب کیا، انکو راضی و خوش رکھا، اس کے بدلے تمہیں انعام دیا جائے گا۔ جاؤ فلاں چٹان کے نیچے ایک دینار پڑا ہے وہ اٹھا لو۔ اس میں تمہارے لئے برکت رکھ دی گئی ہے۔ یہ نوجوان صبح کے وقت بیدار ہوا تو اس نے چٹان کے نیچے جا کر دیکھا تو اسے ایک دینار پڑا ہوا مل گیا۔ اس نے دینار اٹھا لیا اور خوشی خوشی گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مچھلی فروش کی دوکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے خیال آیا کہ اس دینار کے بدلے میں ایک بڑی سے مچھلی خرید لی جائے تا کہ بیوی

بچے آج اس کے کباب بنا کر کھائیں۔ چنانچہ اس نے دینار کے بدلے ایک بڑی مچھلی خرید لی۔ جب گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے مچھلی کو پکانے کیلئے کاٹنا شروع کیا۔ پیٹ چاک کیا تو اس میں سے ایک بہت قیمتی ہیرا نکلا۔ نوجوان اس ہیرے کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ جب بازار جا کر اس ہیرے کو بیچا تو اتنی قیمت ملی کہ اس کی ساری زندگی کا خرچہ پورا ہو گیا۔

واقعہ ۴:

ایک بزرگ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہیے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چرا رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ نوجوان اللہ کا دوست ہے تم اس سے ملاقات کر لو۔ وہ بزرگ بیدار ہوئے تو انہیں اس نوجوان سے ملاقات کی جستجو ہوئی۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لیکر راستے سے گذر رہا ہے۔ وہ بزرگ اس نوجوان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں چند دن آپ کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ نوجوان نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کو اپنے گھر لے آیا۔ رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اس بزرگ نے نوجوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ تمہارا کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا ہے کہ تمہیں اس پروردگار نے اپنے دوستوں میں شامل کر لیا ہے؟ یہ سن کر وہ نوجوان آبدیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے قریب کا کمرہ کھول کر دکھایا کہ اس میں دو مسخ شدہ چہروں والے انسان بندھے ہوئے تھے۔ وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ نوجوان نے کہا کہ یہ میرے غافل اور گنہگار والدین ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں

ایسی گستاخی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو مسخ کر دیا۔ میں سارا دن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب واپس گھر آتا ہوں تو پہلے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں بعد میں خود کھاتا ہوں۔ گو انہوں نے اپنے جرم کی سزا دنیا ہی میں پالی مگر میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی خدمت کروں۔ آخر میرے تو والدین ہیں۔ وہ بزرگ حیران ہوئے اور انہوں نے نوجوان کو سینے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ساری ساری رات عبادت کی اور سارا سارا دن روزہ رکھا مگر اس مقام تک نہ پہنچ سکے جس مقام پر آپ کو والدین کے ادب اور ان کی خدمت کی وجہ سے پہنچنا نصیب ہوا۔

(حقوق والدین)

واقعہ۵:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تو پایا مگر دیدار جمال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف نہ ہو سکے۔ ہر وقت اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ سے اجازت طلب کی کہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کر سکوں۔ والدہ نے کہا کہ بیٹا جاؤ مگر جلدی واپس آ جانا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے مگر نبی علیہ السلام کسی غزوہ کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ والدہ کے حکم کی وجہ سے انتظار میں زیادہ نہ رک سکے اور واپس گھر چلے آئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قبیلہ قرن کا ایک نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کے لئے حاضر ہوا تھا مگر والدہ کے حکم کی وجہ سے واپس چلا گیا تو نبی علیہ السلام نے اپنا جبہ مبارک حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیا اور فرمایا کہ میری طرف سے یہ ہدیہ اویس قرنی کو پہنچا دینا اور اسے کہنا کہ یہ جبہ پہن کر میری گناہ گار امت کے لئے مغفرت

کی دعا کرے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ جبہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیا۔

واقعہ ۶:

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے جبکہ آپ کا بیشتر وقت والدین کی خدمت و اطاعت میں گزرتا تھا۔ ایک رات جب آپ کے بھائی ذکر و عبادت میں مشغول تھے تو ایک ندا سنی کہ کسی کہنے والے نے کہا "ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کی اور اس کی برکت سے تمہیں بھی بخش دیا" یہ بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ذکر و عبادت میں تو میں ہر وقت مشغول رہتا ہوں مگر مجھے ابوالحسن کے طفیل بخش دیا گیا۔ ندا آئی کہ ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں بلکہ محتاج ماں کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمیں مطلوب ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

والدین کا ادب اور نقوش اسلاف:

1 طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار درہم یا دینار میں بکنے لگا۔ ایک دن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک درخت کا تنا کاٹ کر اس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ اتنے قیمتی درخت کو کیوں ضائع کر رہے ہیں؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری والدہ نے اس کی فرمائش کی ہے اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں اس کی تعمیل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ (تذکار صحابیات)

2 حضرت سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مراتب عطا کئے وہ میری والدہ کی دعاؤں کے صدقے عطا کئے۔ کسی نے

پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ والدہ نے پانی مانگا۔ جب میں لے کر گیا تو والدہ سو چکی تھیں۔ میں پیالہ ہاتھ میں لے کر ساری رات کھڑا رہا۔ سردی اتنی شدید تھی کہ جسم کپکپا رہا تھا۔ جب والدہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے مجھے یوں کھڑے انتظار کرتے دیکھا تو خوش ہو کر بہت دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ولایت کے دروازے کھول دیئے۔

3. حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی والدہ صاحبہ کو مسئلہ معلوم کرنا ہوتا تو وہ ایک سن رسیدہ فقیہ سے دریافت کرتیں۔ ایسے موقع پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو اونٹ پر سوار کرتے اور خود نکیل پکڑ کر پیدل چلتے۔ جب لوگ دیکھتے تو ادب و احترام کی وجہ سے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو کر سلام کرتے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ان سے مسئلہ دریافت کرتیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ معمر فقیہ کو مسئلہ کا صحیح حل معلوم نہ ہوتا تو وہ زیرلب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لیتے۔ پھر اونچی آواز سے آپ کی والدہ کو بتا دیتے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اور ان کا ادب کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی اپنی والدہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ جو مسائل آپ ان سے پوچھتی ہیں وہ میں ہی تو بتاتا ہوں۔ یہ سب اسلئے تھا کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت جس طرح مطمئن ہوتی ہے ہونی چاہئے۔ اس ادب واحترام کے صدقے ہی امام اعظم بنے۔

4. حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جب لڑکپن میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے آئے تو تھوڑے دن پڑھ کر جانے لگے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بھائی اتنی جلدی کیوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہی تھی۔ والدہ

کے ادب ہی نے مولانا کو صاحب کشف بزرگ بنا دیا۔

خلاصہء کلام:

اگر چہ والدین کا ادب و احترام عمر کے ہر حصے میں واجب ہے لیکن جب دونوں شباب کی بہاروں، رعنائیوں اور توانائیوں سے محروم ہو کر بڑھاپے کی زندگی گزار رہے ہوں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کا زیادہ خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اولاد کی ذرا سی بے رخی والدین کے لئے دل کا روگ بن جائے۔ جب والدین اولاد کے رحم و کرم کے محتاج ہوں تو حالات کے ان بے رحم تھپیڑوں میں اولاد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کوئی ایسا قولی یا فعلی رویہ اختیار نہ کرے جس سے والدین کو ایذاء پہنچے۔ بلکہ اس وقت انسان اپنے بچپن کو یاد کرے کہ جب وہ اپنے والدین کی شفقت اور حسن سلوک کا اس سے زیادہ محتاج تھا۔ اپنے ننگے بدن کو ڈھانپ نہیں سکتا تھا' خود اپنی مرضی سے کروٹ نہیں بدل سکتا تھا' اپنی غذا کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا، حتیٰ کہ اپنے بدن کے ساتھ لگی نجاست کو نہیں دھو سکتا تھا۔ اس بے بسی کے عالم میں باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا نے شجر سایہ دار کی مانند اسے اپنی محبت کی گھنی چھاؤں سے نوازا۔ یہ ماں ہی تو تھی جو بچے کو پہلے کھلاتی تھی پھر خود کھاتی تھی۔ جو بچے کو پہلے پلاتی تھی بعد میں خود پیتی تھی۔ جو بچے کو پہلے سلاتی تھی بعد میں خود سوتی تھی۔ جو اپنے سر کی چادر کے ایک کونے سے بیٹے کے جوتوں کو صاف کرتی تھی۔ جو اپنے ہاتھوں سے بچے کے پاؤں میں جوتا پہناتی تھی۔ آج اس ماں کے احسانات کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا۔ پس اولاد کو چاہئے کہ والدین کے ادب و احترام کا خیال رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ

(جنت ماؤں کے قدموں کے تلے ہے)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

رِضَیٰ الرَّبِّ فِی رِضَی الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِی سَخَطِ الْوَالِدِ

[رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے] (مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۴۱۹)

سچ تو یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کی جتنی خدمت کرے ان کے احسانات کا حق ادا نہیں کرسکتی۔ بلکہ اگر ساری کائنات کی نعمتوں کا ایک لقمہ بنا کر والدین کے منہ میں دے دے تو بھی والدہ کے سینے سے پیئے ہوئے دودھ کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ باپ بیٹے کی محبت میں کتنا فرق ہے؟ فرمایا بیٹا بیمار ہو اور لاعلاج مرض میں گرفتار ہو جائے تو باپ اس کی درازی عمر کی رو رو کر دعائیں کرتا ہے اس کے بس میں ہو تو اپنی بقیہ زندگی کے ایام اپنے بیٹے کو دے کر خود موت کو قبول کرلے لیکن جب باپ بیمار ہو اور لاعلاج ہو جائے تو چند دن ہی میں بیٹا مایوس ہو کر دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ! میرے بوڑھے باپ کو اپنے پاس بلالے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وفا کے بدلے میں اتنی جفا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کے ادب واحترام اور خدمت واطاعت کی توفیق عطا فرمادے۔

باب نمبر 6

طلباء کے لئے آداب

حدیث پاک میں آتا ہے اَلْعِلْمُ نُوْرٌ (علم ایک روشنی ہے) جب سینہ اس نور سے روشن ہو جاتا ہے تو انسان کو فضل و کمال کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ علم نہ ہو تو انسان اور حیوان میں فرق ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم حصول علم کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ علم افضل ہے یا مال؟ فرمایا علم۔ پوچھا گیا اس کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا، اَلْعِلْمُ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعون و قارون کی۔

- علم سے دوست بنتے ہیں جب کہ مال سے حاسد بنتے ہیں۔
- علم کے چوری ہونے کا خدشہ نہیں جبکہ مال کو امن نہیں۔
- علم پرانا ہو تو راسخ ہو جاتا ہے جب کہ مال پرانا ہو تو کم قیمت ہو جاتا ہے۔
- صاحب علم کی کرامت بڑھتی ہے، جبکہ صاحب مال کی خجالت بڑھتی ہے۔
- علم کو خرچ کیا جائے تو بڑھتا ہے جبکہ مال خرچ کیا جائے تو گھٹتا ہے۔
- روز محشر علم کا حساب نہ لیا جائے گا جبکہ مال کا حساب دینا پڑے گا۔
- علم سے دل روشن ہوتا ہے جبکہ مال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

- علم انسان کی حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی حفاظت انسان کو کرنا پڑتی ہے۔
- اللہ تعالیٰ مال ہر ایک کو دیتا ہے۔ جب کہ علم اپنے محبوب بندوں کو دیتا ہے۔
- کثرت علم سے نبی کریم ﷺ نے مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادِتِکَ کہا کثرت مال سے فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا۔

یہ بات بھی اظہر من الشّمس ہے کہ مال سے دنیا کے چند بڑے فائدے تو حاصل کیۓ جاسکتے ہیں مگر ہر مشکل میں تو مال کام نہیں آتا۔ مثلاً

- مال سے ہم عینک تو خرید سکتے ہیں بینائی نہیں خرید سکتے۔
- مال سے ہم نرم بستر تو خرید سکتے میٹھی نیند نہیں خرید سکتے۔
- مال سے ہم کتابیں تو خرید سکتے ہیں علم نہیں خرید سکتے۔
- مال سے ہم خوشامد تو خرید سکتے ہیں کسی کی محبت نہیں خرید سکتے۔
- مال سے ہم زیورات تو خرید سکتے ہیں حسن نہیں خرید سکتے۔
- مال سے ہم گھر میں نوکر تو لا سکتے ہیں بیٹا نہیں لا سکتے۔
- مال سے خضاب تو خرید سکتے ہیں شباب نہیں خرید سکتے۔

پس انسان کو چاہئے کہ طالب مال بننے کے بجائے طالب علم بن کر دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرے۔ حصول علم کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

1. اخلاص نیت:

طالب علم کو چاہئے کہ علم کے حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض نہ ہو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اگر نیک نیت ہو تو طالبعلم سے افضل کوئی نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کا بدلہ نیت پر موقوف

ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے۔

بہت سے اعمال بظاہر شکل وصورت میں دنیاوی امور کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ اعمال آخرت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جبکہ بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اعمال آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔ جمع الفوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ کسی غیر کے لئے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہئے۔

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو، جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لئے دوزخ ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر علیہ السلام کو وحی نازل فرمائی کہ ان لوگوں سے کہہ دو جو علم دین کو عمل کے لئے حاصل نہیں کرتے بلکہ عمل آخرت کے ذریعے دنیا کماتے ہیں گویا تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو حالانکہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں۔ تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں مگر دل زہر کی طرح کڑوے ہیں۔ تم مجھے دھوکا دیتے اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ اچھا! میں تمہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا جس سے بڑے بڑے دانا اور سمجھدار ہکا بکا رہ جائیں گے۔

یزید بن حبیبؒ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مخفی ہوس کیا ہے؟ فرمایا آدمی علم حاصل کرے اور دل میں خواہش ہو کہ لوگ اس کی درباری کریں۔ مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لوگ ذرا دینی شعور اور اخروی نقطہ نظر سے اپنی اولاد کو اللہ کے دین کا خادم بنانے کا عزم تو کر لیں اور پھر

دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کیا ہوتا ہے۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا والی کریمانہ شان کا تجربہ انشاء اللہ ہر شخص کو ہوگا۔

حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو اللہ اور اللہ کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔ تمام مخلوق پر انکا رعب ہوتا لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔

ایک وقت تھا جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتے تھے آج مال حاصل کرنے کیلئے علم خرچ کرتے ہیں۔ چٹائی پر رات بسر کرنے والے وہ لوگ جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے آج ان کی اولادیں نرم بستر پر شب باشی کی عادی ہو چکی ہیں۔ جو لوگ اتنا مطالعہ کرتے تھے کہ ان کے چراغ کے تیل کا خرچہ ان کے کھانے پینے کے خرچے سے زیادہ ہوتا تھا آج ان کے شاگرد اخبار بینی کے شوق میں آدھا آدھا دن بسر کر دیتے ہیں۔ خدا طلبی کی بجائے دنیا طلبی عام ہو چکی ہے۔ یہ سب فساد نیت کا ثمر ہے۔

نظام الملک نے جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی تو کثیر تعداد میں طلباء نے داخلہ لیا۔ چند سال تو بہت علمی ماحول رہا مگر آہستہ آہستہ طلباء کے دینی ذوق و شوق میں کمی آتی گئی۔ کسی نے نظام الملک سے شکایت کی کہ آپ طلباء کی سہولت کے لئے اتنی کثیر رقم خرچ کر رہے ہیں مگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا۔ نظام الملک نے صحیح صورتحال معلوم کرنے کیلئے ایک دن بھیس بدلا اور عشاء کے بعد مدرسہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ طلباء تکرار کے لئے دو دو اور تین تین کی ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نظام الملک ان میں ایک طالب علم کے پاس گیا اور سلام کرنے کے

بعد پوچھا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ طالبعلم نے کہا کہ ہم علم حاصل کرنے آئے ہیں۔ پوچھا، کس لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہو؟ طالبعلم نے کہا، میرے والد بڑے مفتی ہیں میں علم حاصل کرنے کے بعد انکی جگہ سنبھالوں گا۔ نظام الملک نے دوسرے طالبعلم سے پوچھا کہ آپ کیوں علم حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے والد فلاں مسجد کے خطیب ہیں، میں علم حاصل کرنے کے بعد خطابت کا منصب سنبھالوں گا۔ نظام الملک مختلف طلباء کے پاس جا جا کر یہی سوال پوچھتا رہا۔ ہر طالب علم کا یہی جواب تھا کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں فلاں عہدہ ملے گا، عزت ملے گی اور لوگوں میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

نظام الملک یہ سب سن کر بہت آزردہ ہوا کہ افسوس یہ طالب علم نہیں طالب دنیا ہیں۔ ان کے لئے اتنی کثیر مقدار میں مال و دولت خرچ کرنے کا کیا فائدہ۔ بہتر ہے کہ مدرسے کو بند کر دیا جائے اور یہی مال کسی دوسرے کار خیر میں صرف کر دیا جائے۔ انہی خیالات کا تانا بانا بنتے ہوئے نظام الملک مدرسہ کے دروازے پر واپس پہنچا تو دیکھا کہ ایک طالبعلم چراغ جلائے الگ تھلگ اپنی کتاب کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہے۔ نظام الملک نے سوچا چلو اس سے بھی یہی پوچھتے چلیں۔ چنانچہ اس نے طالب علم کے پاس جا کر سلام کیا۔ طالب علم نے زبان سے سلام کا جواب تو دیا مگر آنکھ اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ سلام کرنے والا کون ہے۔ نظام الملک بڑا حیران ہوا۔ پوچھا کہ میاں کیا بات ہے ہماری طرف توجہ ہی نہیں کرتے کوئی بات تو کرو۔ طالبعلم نے ٹکا سا جواب دیا کہ جناب! میں یہاں آپ سے باتیں کرنے نہیں آیا۔ نظام الملک نے پوچھا کہ آخر یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو۔ طالبعلم نے کہا کہ میں اللہ تعالی کو راضی کرنا چاہتا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میں کیسے کروں۔ یہ علم ان کتابوں میں موجود ہے۔ میں یہ علم حاصل

کرنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔ اب آپ کی مہربانی آپ خواہ مخواہ سوالات پوچھ کر میرا وقت ضائع نہ کریں۔ نظام الملک یہ جواب سن کر اتنا خوش ہوا کہ اس نے ارادہ کرلیا کہ جب تک اس جیسا ایک بھی طالبعلم موجود ہے میں مدرسے کے اخراجات میں کمی نہیں کروں گا۔ یہی لڑکا بڑا ہوا تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بنا۔

2۔ طالب علم کو چاہئے کہ اپنے نفس کو بری صفات اور ناپسندیدہ عادات سے پاک کرے:

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح نماز جو کہ ظاہری اعضاء کی عبادت ہے بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے بغیر باطنی طہارت کے حاصل نہیں ہوتا۔

سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا اللہ تعالی اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں۔ یا تو وہ عین جوانی میں مرجاتا ہے یا پھر وہ باوجود فضل وکمال کے ایسی ایسی جگہوں پر مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہو جاتا ہے اور علم کی اشاعت نہیں کر پاتا یا کسی بادشاہ اور رئیس کی کاسہ لیسی اور خدمت کی ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ جس طرح چراغ جلائے بغیر روشنی نہیں ہوتی اسی طرح علم بھی عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو تین باتوں پر عمل کئے بغیر فائدہ نہیں ہوتا خواہ اسی صندوق کتابوں کے پڑھ لے۔

1. دنیا سے محبت نہ رکھے کیونکہ یہ مسلمان کا گھر نہیں
2. شیطان سے دوستی نہ کرے کیونکہ وہ مسلمان کا رفیق نہیں ہے
3. کسی کو تکلیف نہ دے کیونکہ یہ مسلمان کا پیشہ نہیں ہے

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم کا پڑھنا اور اس کا بڑھنا بے فائدہ ہے جب تک کہ اطاعت وخوف بھی ساتھ ساتھ نہ بڑھے۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پائے برد کتابے چند

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس سال تک رہا۔ ان میں سے اٹھارہ سال ادب واخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دو سال علم کی تحصیل میں۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو کیونکہ تم فقط علم حاصل نہیں کررہے بلکہ اپنے اوپر حجت الٰہی کو اچھی طرح قائم کررہے ہو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ طالبعلمی کے زمانے میں بازار سے صرف روٹی خریدتے اور سالن اس وجہ سے نہ لیتے تھے کہ دکانوں میں جو سالن پکتا تھا اس میں آمچور کا ڈالنا لازم تھا اور آموں کے باغات کی بیع کا جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا اس لئے سالن کے بغیر ہی روٹی کھالیتے تھے۔

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ محدث سہارنپوری مدرسہ کے کسی کام کی وجہ سے کلکتہ گئے۔ احتیاط کا یہ عالم کہ وہاں کسی عزیز سے ملنے کے لئے گئے تو رکشے کے پیسے اپنے پاس سے دیئے۔ حالانکہ ان سے ملنے میں مدرسہ کا بھی فائدہ تھا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کی کوئی چیز اپنے اوپر

استعمال نہیں کرتے تھے۔ حتی کہ مدرسہ کے فرش پر بھی مدرسہ کے کام کے علاوہ نہیں بیٹھتے تھے۔ بعض حضرات کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ناظم مطبخ بنتے مگر اپنا کھانا گھر سے منگا کر کھاتے۔

ایک طالبعلم نے نماز عشاء کے تھوڑی دیر بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے ایک صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے وجہ دریافت کی تو طالبعلم نے کہا کہ یہ مسجد کا چراغ ہے جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے تھے کہ طالبعلم اگر طالب علمی کے زمانے میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔ طالب علم کو چاہئے کہ اتباع سنت کا بہت التزام کرے۔ دو طالبعلموں نے تحصیل علم کے لئے سفر کیا۔ جب دو سال بعد واپس آئے تو ایک فقیہ کامل تھا اور دوسرا علم وکمال سے خالی تھا۔ شہر کے علماء نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو فقیہ کامل بنا وہ اتباع سنت کا زیادہ اہتمام کرتا تھا۔

طالبعلم کو چاہئے کہ کھانے پینے میں احتیاط برتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَآ اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا (مؤمنون: ۵۱) مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ اکل طیب کو اسی لئے مقدم کیا کہ عمل صالح کرنے میں اسے بڑا دخل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ رِزْقًا طَیِّبًا وَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا ۔ معلوم یہ ہوا کہ اکل حلال کے بغیر علم نافع اور عمل صالح کا حصول نہیں ہوتا۔ آجکل بعض طلباء تو دوسروں کی چیزیں بلا اجازت مال غنیمت سمجھ کر کھاتے ہیں۔ مدرسہ کی چیزوں کو تو اپنی میراث سمجھتے ہیں۔ اگر تقوی اور پرہیزگاری کی زندگی گزاریں تو دنیا کی نعمتیں خود بخود ان کے قدموں میں آئیں۔

ایک طالبعلم کا قصہ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ دہلی کے ایک مدرسہ میں پڑھتا

تھا مگر کسی مسجد میں رات کے وقت قیام کرتا تھا۔ قریبی محلہ میں ایک لڑکی اپنے رشتہ داروں کے یہاں کسی کام کی غرض سے جا رہی تھی کہ اچانک فرقہ وارانہ فساد ہو گیا۔ لوگوں کا ہجوم اور کشت و خون کو دیکھ کر وہ لڑکی گھبرائی اور مسجد میں داخل ہو کر پناہ حاصل کی۔ عشاء کے بعد کا وقت تھا طالبعلم اس کو دیکھ کر گھبرایا اور اس سے معذرت کی کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ لوگ دیکھیں گے تو میری ذلت ہوگی۔ مجھے مسجد سے بھی نکال دیں گے میری تعلیم کا بھی نقصان ہوگا۔ لڑکی نے کہا کہ باہر جو ہنگامہ ہو رہا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ باہر نکلنے میں میری جان کا بھی خطرہ ہے اور عزت و ناموس کا بھی خطرہ ہے۔ مسجد اللہ کا گھر ہے مجھے یہاں امان نہ ملی تو کہاں ملے گی۔ طالبعلم لاجواب ہو کر کہنے لگا کہ چلو ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔ کمرہ چونکہ چھوٹا تھا لہٰذا طالبعلم دوسرے کونے میں بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ مطالعہ کے دوران بار بار اپنی انگلی چراغ کی بتی پر رکھ دیتا۔ ساری رات اسی طرح گزاری۔ لڑکی دوسرے کونے میں بیٹھی یہ سب ماجرا دیکھتی رہی۔ جب صبح قریب ہوئی تو طالبعلم نے کہا فسادی اپنے اپنے گھر چلے گئے اس وقت راستہ صاف ہے آپ چلئے میں آپ کو گھر پہنچا دوں۔ لڑکی نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ جاؤں گی جب تک آپ مجھے اس کا راز نہ بتا دیں گے کہ آپ بار بار انگلی چراغ کی بتی میں کیوں رکھ دیتے تھے۔ طالبعلم نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا غرض۔ لڑکی نے جب اصرار کیا تو طالبعلم نے بتایا کہ شیطان بار بار میرے دل میں وسوسے ڈال رہا تھا اور مجھے گناہ کی ترغیب دے رہا تھا۔ جب نفس کی خواہش بھڑکتی میں اپنی انگلی چراغ کی لو سے جلاتا اور اپنے نفس کو مخاطب کرتا کہ اے نفس تو دنیا کی آگ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا بھلا جہنم کی آگ کی تکلیف کیسے برداشت کرے گا۔ لڑکی یہ سن کر حیران ہوئی اور گھر چلی گئی۔ گھر جا کر اس نے والدین کو

سارا قصہ من وعن سنایا۔ لڑکی کا والد بہت مالدار اور دیندار تھا۔ لڑکی بھی مہ پارہ اور مہ جبین تھی۔ بڑے بڑے مالدار لڑکوں کے رشتے آرہے تھے۔ مگر لڑکی نے والدین سے کہا کہ اگر آپ اس طالبعلم سے میرا نکاح کر دیں تو میں ساری زندگی اسکی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھوں گی۔ چنانچہ طالبعلم سے اسکا نکاح ہو گیا اور وہ اس گھر کا مالک بن گیا۔ سچ ہے جو حرام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ وہ نعمت حلال طریقے سے عطا فرما دیتے ہیں۔ طالبعلم کو چاہئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے تاکہ عبادت میں خشوع کی توفیق نصیب ہو اور علم کی حلاوت سے حصہ ملے۔

3. طالب علم کو چاہئے کہ اساتذہ کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم سمجھے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھے مسلمان، عالم دین، حافظ قرآن، عادل بادشاہ اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔ ابن وہب کہا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کی وجہ سے ملا۔ طالبعلم کو چاہئے کہ استاد کی بات توجہ سے سنے۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ادب سے پوچھ لے۔ استاد کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی میں داخل ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ادب کی وجہ سے اپنے استاد کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ میرے استاد علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ حیات ہوتے اور میں جا کر ان کی صحبت اختیار کرتا۔ امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کبھی پانی پینے کی جرات نہ ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ادب کی وجہ سے کتاب کا ورق آہستہ الٹتا تھا کہ میرے استاد کو اس کی آواز نہ سنائی دے۔

طالبعلم کو چاہئے کہ اگر استاد اسے کوئی نکتہ بتائے اور وہ اسے پہلے سے معلوم تھا تب بھی یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا۔ استاد کو کسی حال میں بھی برا نہ کہے ورنہ تلامذہ اسے بھی برا کہا کریں گے۔

استاد کا یہ بھی حق ہے کہ طالبعلم اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی ملاقات کرتا رہے۔ "شرح الطریقۃ المحمدیہ" میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے تو امام زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیارت کو گئے۔ مدت کے بعد امام زرنوجیؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا۔ اس وقت امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کو عمر تو لمبی نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شاہ عبدالرحمٰن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالبعلمی میں پانی پت سے سہارنپور پہنچے۔ رخصت ہوتے وقت سب اساتذہ سے اچھی طرح ملے مگر ایک استاد جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے نہ مل سکے۔ جب سہارنپور پہنچ کر کتابیں شروع کیں تو سبق یاد کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے۔ ایک دن خیال آیا تو انہوں نے فوراً اپنے استاد کو معذرت نامہ لکھ بھیجا۔ استاد نے جواب میں لکھا کہ جب آپ دوسرے سب اساتذہ سے مل کر گئے اور مجھے نہ ملے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید آپ مجھے چھوٹا استاد سمجھتے ہوئے نظرانداز کر گئے ہوں۔ اب آپ کے معذرت نامے سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا۔ میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ جیسے ہی یہ خط آپ کو ملا آپ کو ذہنی سکون نصیب ہوا اس کے بعد آپ کو سبق یاد کرنے میں کوئی مشکل پیش

نہ آئی۔

طالبعلم کو چاہئے کہ استاد کی شان میں کوئی گستاخی ہو جائے تو انتہائی عاجزی سے فوراً معافی مانگ لے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران ان کے استاد ابراہیم بن طہمان کا ذکر آیا۔ ان کا نام سنتے ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا یہ نازیبا بات ہوگی کہ بڑوں کا نام لیا جائے اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔

طالبعلم کے لئے یہ بھی ضروری ہے استاد کے متعلقین سے بھی محبت کرے۔ ان سے ادب واحترام سے پیش آئے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ طالبعلم کے عمل میں کوتاہی کی نشانی یہی کافی ہے کہ وہ استاد کا ادب نہ کرے۔ جب استاد کا انتقال ہو جائے تو اس کے وظیفہ یا قیامگاہ کے حصول کی کوشش کرے۔ استاد کی اولاد سے ان امور میں مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھے۔

اِنَّ الْمُعَلِّمَ وَ الطَّبِیْبَ کِلَا هُمَا
لَا یَنْصِحَانِ اِذَا هُمَا لَمْ یُکْرَمَا
فَاصْبِرْ لِدَائِکَ اِنْ جَفَوْتَ طَبِیْبًا
وَاقْنَعْ بِجَهْلِکَ اِنْ جَفَوْتَ مُعَلِّمًا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حسن سے کتاب الزکوۃ پڑھنا شروع کی تو استاد نے فرمایا کہ تمہارے لئے علم حدیث کا پڑھنا مناسب ہے کیونکہ میں تمہارے اندر اس کی مناسبت پاتا ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ قبول کرلیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ علم حدیث میں امیر المومنین بنے۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو طلباء اساتذہ کو بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس چلے گئے اس سے علم کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنائیت فرمائی۔ میں نے رات گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی۔ صبح تک وہ پانی جو املتاس کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ میں اس کو پی گیا۔ اس پانی کی برکت سے میرا دل ایسا روشن ہو گیا کہ کوئی کتاب مشکل نہ رہی۔

اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی سکیمیں بنانے والے طلبہ ذرا ان باتوں پر غور فرمائیں۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے کہ ایک مقام کو حل کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد بھی کوئی نکتہ یاد نہ آیا۔ طلباء انتظار میں تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ عزیز طلباء! مجھے اس مقام کو حل کرنے میں دقت پیش آ رہی ہے، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں فلاں استاد (جو حضرت کے شاگرد رہ چکے تھے) سے پوچھ کر آتا ہوں۔ طلباء حیران تھے کہ اتنے جلیل القدر استاد کی بے نفسی کا یہ عالم......!!! حالانکہ چاہتے تو اس بات کو اگلے دن پر بھی موخر کر سکتے تھے۔ مگر خلوص اور للّٰہیت بھی عجیب نعمت ہے۔ جب حضرت! کمرے سے نکل کر دوسرے استاد کے دروازے پر پہنچے تو وہ دیکھتے ہی باہر آ گئے اور پوچھا کہ حضرت آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا، مولانا! مجھے ایک مقام پر بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی میں نے سوچا

کہ آپ سے پوچھ لوں۔ وہ بھی آپ ہی کے صحبت یافتہ تھے۔ انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی' حضرت! جب میں نے یہ کتاب آپ سے پڑھی تھی تو اس وقت آپ نے اس سوال کا جواب یوں دیا تھا۔ یہ الفاظ کہہ کر مشکل مقام کا حل تفصیل سے بیان کر دیا۔

طالبعلم اپنے استاد کے ادب کے بغیر نہ علم حاصل کر سکے گا نہ ہی اس سے نفع اٹھا سکے گا۔ جو شخص منزل مقصود پر پہنچا وہ ادب ہی کی وجہ سے پہنچا اور جو گرا وہ بے ادبی کی وجہ سے گرا۔ مثل مشہور ہے۔

اَلْاَدَبُ خَیْرٌ مِنَ الطَّاعَۃِ (ادب عبادت سے بہتر ہے)

اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کو ہلکا سمجھنے کی وجہ سے اور بے ادبی کی وجہ سے کافر ہوتا ہے۔ شیخ امام سعد الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص چاہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ مسکین علماء کی نگہبانی کرے، ان کی تعظیم کرے اور انہیں کھلائے پلائے۔ اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور عالم ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنے استاد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سواری پکڑ لیتے تھے یہ سب ادب کی وجہ سے تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ استاد کی تعظیم کے متعلق فرماتے تھے۔

اَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا وَّاحِدًا اِنْ شَاءَ بَاعَ وَاِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّ۔ (تعلیم المتعلم)

[میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا۔ اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اگر چاہے تو آزاد کر دے اور اگر چاہے غلام بنا لے]

کسی شاعر نے حقوق استاد کے بارے میں عجیب اشعار لکھے ہیں

رَاَیْتُ اَحَقَّ الْحَقِّ حَقَّ الْمُعَلِّمِ
وَ اُوْجِبُهٗ حِفْظًا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٖ
لَقَدْ حَقَّ اَنْ یُّهْدٰی اِلَیْهِ کَرَامَةً
لِتَعْلِیْمِ حَرْفٍ وَّاحِدٍ اَلْفُ دِرْهَمٖ

[میں نے تمام حقوق سے زیادہ استاد کا حق دیکھا ہے۔ میں استاد کے حق کی حفاظت کرنا تمام مسلمانوں پر زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ بے شک حق یہ ہے کہ استاد کے ایک حرف کی تعلیم کے بدلے میں ادب کی بناء پر ہزار درہم ہدیہ پیش کیا جائے تو بھی کم ہے]

(4) . طالبعلم کو چاہئے کہ اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لئے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے۔

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے۔ اور ہمارا دودھ...... ترکاری خرید کر لاتے تھے۔ اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہ کے گھر کا یہ خدمتگار شاگرد تمام عالم کا مخدوم بنے گا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تربیت کے لئے بھیجا۔ ایک دن جب وہ ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ شہزادہ پانی ڈال رہا ہے اور حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھو رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے تو بیٹے کو

تربیت کے لئے بھیجا تھا اگر آپ اس کو ادب سکھاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ پانی ڈال تو رہا ہے۔ ہارون رشید نے کہا کہ حضرت آپ اسے حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوتا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان زیادہ آگئے۔ بیت الخلاء ایک ہی تھا۔ مہمانوں کا کئی دن قیام رہا۔ حضرت مدنی" روزانہ رات کو آکر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کے وقت مہمانوں کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے اور پھر سجدے کی حالت میں سو جاتے۔ جبکہ برتن کو اپنے پیٹ اور بازوؤں کے درمیان رکھ لیتے۔ پانی چونکہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے لہٰذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا۔ یہ پانی وضو کے لئے اپنے استاد کو پیش کرتے۔ کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن تھکاوٹ ایسی تھی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر نیند غالب آگئی۔ جب تہجد کے لئے اٹھے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کروانا پڑا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا پانی وہیں سے لائے ہو جہاں سے پہلے لاتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ آج مجھ سے غفلت ہوئی، رات کو بھر کر نہیں رکھ سکا۔ تب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرد

اپنے استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدے کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔

قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ شہر "مرو" کے امام الائمہ تھے۔ بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ میں اپنے استاد قاضی امام ابو یزید دبوسیؒ کی بہت خدمت کرتا تھا۔ میں نے تیس برس ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔ استاد کی اس خدمت کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا کہ بادشاہ میرے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتا ہے۔

5 . طالبعلم کے لئے ضروری ہے کہ دینی کتابوں کا ادب واحترام کرے

طالبعلم کو چاہئے کہ کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ ہمیں جو علم حاصل ہوا اس میں ادب واحترام کا بڑا عمل دخل ہے۔ میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔ امام سرخسیؒ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مطالعہ کے دوران سترہ بار وضو کرنا پڑا۔

کسی کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ تفسیر کے نیچے حدیث کی کتاب اور حدیث کے نیچے فقہ کتاب اور اس کے نیچے دوسرے فنون کی کتابیں رکھے۔ کتاب اٹھانی ہو تو ادب سے اٹھائے۔ کسی کو دینی ہو تو پھینک کر نہ دے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس کے دوران طلباء سے سوال پوچھا بتاؤ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اتنے مایہ ناز عالم کیسے بنے؟ طلباء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جواب دیا۔ جس طالبعلم کو تفسیر سے شغف تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر تھے۔ جس طالبعلم کو حدیث سے شغف تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ محدث تھے۔ جس طالبعلم

کو اشعار سے لگاؤ تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ طلباء نے پوچھا کہ حضرت! آپ ہی اس سوال کا جواب بتادیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کیسے بنے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کتابوں کے ادب کی وجہ سے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بنا۔ طلباء نے کہا کہ حضرت کتابوں کا ادب تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ فرمایا جتنا ادب میں کرتا ہوں اتنا ادب شاید نہ کرتے ہوں۔ میں نے بغیر وضو کبھی کسی دینی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ مطالعہ کے دوران کتاب کو اپنے تابع کرنیکی بجائے اپنے آپ کو کتاب کے تابع کیا۔ مثلاً اگر بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا ہوں اور حاشیہ کی عبارت پڑھنی ہو تو میں کتاب کو اپنی جگہ پڑے رہنے دیتا ہوں اور خود اپنی جگہ بدل کر چاروں طرف سے حاشیہ پڑھ لیتا ہوں۔ میں نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے بھی کبھی کسی دینی کتاب کو پائنتی کی طرف نہیں رکھا ہمیشہ سرہانے کی طرف رکھا ہے۔ کبھی تاریخ کی کتابوں کو فنون کی کتابوں پر نہیں رکھا، کبھی فنون کی کتابوں کو فقہ کی کتابوں پر نہیں رکھا' کبھی فقہ کی کتابوں کو حدیث کی کتابوں پر نہیں رکھا' اور کبھی حدیث کی کتابوں کو تفسیر کی کتابوں پر نہیں رکھا۔ بلکہ ترجمہ و تفسیر قرآن کو قرآن مجید کے اوپر نہیں رکھا۔ کتابوں کے ادب نے مجھے انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بنادیا۔

کبھی کسی کتاب کے اوپر مستعمل چیز نہ رکھے۔ شیخ الاسلام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا کہ تم اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہو۔

کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اسپر بے کار اور لایعنی باتیں نہ لکھے

اکثر مدارس کے طلباء کی عادت ہو گئی ہے کہ اسپر خوب لکھتے ہیں جس سے علم کی برکت سے محروم ہوتے ہیں۔

ایک طالبعلم سفر کے دوران اپنے سامان کی گٹھڑی اس طرح باندھے ہوئے تھا کہ اس نے لنگی میں پہلے کتابوں کو رکھا پھر اوپر اپنے کپڑوں کو رکھ کر گٹھڑی باندھ لی۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو تنبیہ فرمائی کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

ایک عالم نے دو طالبعلموں کو دو حال میں پایا۔ ایک تکیہ کا سہارا لیئے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دوزانو مستعد بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور کچھ کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔ استاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا اِنَّهٗ لَا یَبْلُغَ دَرَجَةَ الْفَضْلِ (یہ فضیلت کے درجے کو نہیں پہنچے گا)۔ دوسرے کے متعلق فرمایا سَیَحْصُلُ الْفَضْلَ وَیَکُوْنُ لَهٗ شَاْنٌ فِی الْعِلْمِ (یہ عنقریب فضل حاصل کرے گا اور اس کے علم میں بڑی شان ہوگی)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعے حاصل کیا حتی کہ سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا کرتے تھے۔

(1). طالبعلم کو چاہئے کہ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے

اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ ان کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ اگر اس کا ساتھی غلط عبارت پڑھے تو اس پر ہرگز نہ ہنسے۔ ممکن ہے ساتھی نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہو۔ ہنسنے سے اسے سبکی محسوس ہوگی اور خود اس کے اندر عجب اور تکبر پیدا ہوگا۔ اگر کسی ساتھی کو کتاب سمجھنے میں دقت پیش آئے تو تکرار کے دوران اسے سمجھا دے۔ یاد رکھے کہ تکبر کے ساتھ علم کا حاصل کرنا

جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

اَلْعِلْمُ حَرْبٌ لِلْفَتیٰ الْمُتَعَالِیْ . کَالسَّیْلِ حَرْبٌ لِلْمَکَانِ الْعَالِیْ

[جس طرح ایک بلند مکان کو سیلاب پاش پاش کر دیتا ہے اسی طرح تکبر عالم کے علم کو ختم کر دیتا ہے]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے صاحبو! اپنے لئے کوئی دوسرا امام تجویز کر لو کیونکہ اس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ جماعت میں میرے برابر کوئی دوسرا نہ تھا اس لئے امام تجویز کیا گیا۔

طالبعلم کو چاہئے کہ اپنے اندر مکارم اخلاق پیدا کرے جن کی تعلیم کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

1. سچ بولنا۔
2. سچائی کا معاملہ کرنا
3. سائل کو عطا کرنا۔
4. احسان کا بدلہ دینا۔
5. صلہ رحمی کرنا۔
6. امانت کی حفاظت کرنا۔
7. روزی کا حق ادا کرنا۔
8. ساتھی کا حق ادا کرنا۔
9. مہمان کا حق ادا کرنا۔
10. ان سب کی جڑ اور اصل حیا ہے۔

طالبعلم کو چاہئے کہ اپنے کمرہ میں رہنے والے ساتھیوں سے جھگڑا فساد نہ کرے۔ ان سے کوئی غلطی ہو تو اس پر حتی الوسع صبر کرے۔ غریب ساتھی کی حتی المقدور مدد کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ دوران سفر دو مسواکیں بنائیں۔ ٹیڑھی مسواک اپنے پاس رکھ لی اور سیدھی اور خوبصورت مسواک اپنے رفیق سفر کو عطا کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ اچھی اور خوبصورت مسواک آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ فرمایا، میرا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ اچھی مسواک

رے ساتھی کے پاس ہو۔

خواجہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو ساتھیوں کو حکومت وقت نے قید کر لیا اور ان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ جب تینوں حضرات کو جلاد کے سامنے پیش کیا گیا تو ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور جلاد کے قریب ہو گئے۔ حاکم نے پوچھا کہ آپ نے جلد بازی کیوں کی؟ فرمایا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جلاد جتنی دیر میں مجھے قتل کرے گا اتنے لمحے میرے ساتھیوں کو اور زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔ حاکم یہ سن کر حیران ہوا اور اس نے تینوں کو رہا کر دیا۔

7 . طالبعلم کو چاہئے کہ حصول علم کے لئے خوب محنت کرے۔ سستی کاہلی کو قریب نہ آنے دے اور اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے۔

عربی کا مقولہ ہے

مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَ جَدَّ وَجَدَ

[جس نے کسی چیز کو طلب کیا اور محنت کی تو اسے پالیا]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے

اَلْجِدُّ فِیْ کُلِّ اَمْرٍ شَاسِعٍ . وَالْجِدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُّغْلَقٍ

[انسان کوشش کے بعد ہر مشکل کام کو سرانجام دے لیتا ہے۔ جس طرح ہر بند دروازہ کوشش کے بعد کھلتا ہے]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

اَلعِلْمُ لَا یُعْطِیْکَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ کُلَّکَ

[علم تمہیں کچھ حصہ نہ دے گا جب تک تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کر دو گے]

تحصیل علم کے لئے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

۸- مطالعہ:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم اتنے ذہین تو نہ تھے مگر تمہاری کوشش و مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔

بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ماموں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ بعض اوقات سبق یاد کرنے میں بہت مشکل پیش آتی۔ ایک مرتبہ ماموں نے عار دلائی کہ تم کتنے کند ذہن ہو، بات کیوں نہیں سمجھتے؟ امام طحاوی کو یہ سن کر بہت قلق ہوا چنانچہ آپ نے فقہ میں اس قدر محنت کی کہ لوگوں نے آپ کو امام طحاوی کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان ہوئے تو دیکھا کہ آپ ساری رات مطالعہ میں منہمک رہے۔ کبھی بیٹھ کر مطالعہ کرتے پھر تھوڑی دیر لیٹ کر غور و خوض کرتے رہتے۔ پھر بیٹھ کر مطالعہ کرتے پھر لیٹ کر سوچ و بچار میں مشغول ہو جاتے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ ساری رات باوضو رہے اور جاگتے رہے۔ بعض لوگوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کم سونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔

كَيْفَ اَنَامُ وَقَدْ نَامَتْ عُيُوْنُ الْمُسْلِمِيْنَ تَوَكُّلًا عَلَيْنَا يَقُوْلُوْنَ اِذَا وَقَعَ لَنَا اَمْرٌ رَفَعْنَاهُ اِلَيْهِ فَيَكْشِفُهُ لَنَا فَاِذَا نِمْتُ فَفِيْهِ نَضِيْعُ الدِّيْنِ

[میں کیسے سو جاؤں۔ سب لوگ اس لئے اطمینان سے سو رہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم ان (امام محمد) کے پاس جا کر معلوم کر لیں گے۔ اگر میں بھی سو گیا تو اس میں دین کا نقصان ہو گا]

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں ہے کہ دہلی کے ایک

غریب طالبعلم نے دکاندار سے کہا میں رات کو آپ کی دکان کا پہرہ دونگا آپ مجھے اتنا تیل دے دیا کریں کہ رات بھر مطالعہ کرسکوں۔ دکاندار بہت خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر پہریدار مل گیا۔ جب کہ طالبعلم نے سجدہ شکرادا کیا کہ میرے مطالعے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی پیدا کردی۔ ایک رات یہ طالبعلم مطالعہ میں مشغول تھا کہ بادشاہ کی سواری اپنے باجے گاجے سمیت ادھر سے گزری۔ لوگوں کا جم غفیر جشن دیکھنے کے لئے اکٹھا ہوگیا۔ ایک صاحب نے طالبعلم سے پوچھا "کیا بادشاہ کی سواری چلی گئی"۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ ایک شور ضرور ہوا تھا۔

ایک مرتبہ مظاہر العلوم کے ناظم کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے ایک شاگرد سے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کردو کہ اگر تکلیف نہ ہوتو تشریف لاکر دعا کردیں اور بچے کے کان میں اذان دے دیں۔ طالبعلم نے کہا حضرت رات کے دو بج رہے ہیں۔ اس وقت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے ہوں گے۔ ناظم صاحب نے فرمایا جا کر دیکھو تو سہی۔ جب طالبعلم گیا تو دیکھا کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ میں مصروف تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہ کر سکے تو والد صاحب نے سبق نہ پڑھایا۔ آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا اور اسکے بعد مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِیْ ۔ وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِیْ

وَمَنْ رَامَ الْعُلٰی مِنْ غَيْرِ كَدٍّ ۔ اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

[تم اپنی کوشش کے مطابق ہی بلند مقام تک پہنچ سکو گے۔ جو بلندیوں کا طلبگار ہو اسے راتوں کو جاگنا چاہئے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر مشقت

کے بلندی مل جائیگی تو وہ ایک محال بات کی طلب میں زندگی بسر کر رہا ہے]

حکیم جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں سے علم وحکمت میں ممتاز کیسے ہو گئے؟ جواب دیا کہ میں نے کتاب بینی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جب مطالعہ کے لئے بیٹھتے تو ان کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر لگا ہوتا۔ انہماک اس قدر ہوتا کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ ہوتی۔ بیوی کو یہ بات کب گوارا تھی۔ ایک روز ناراض ہو کر کہنے لگی۔ وَاللّٰہِ ھٰؤُلَاءِ الْکُتُبِ اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِرَ (اللہ کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھے نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔ ابوالعباس ثعلب نے بغداد میں اسحاق موصلی کے کتب خانہ میں ایک ہزار جزو فن لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسحاق کے سماع میں آچکے تھے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے تھے۔

وَاللّٰہِ اِنِّیْ اَتَاَسَّفُ فِی الْفَوَاتِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ فِیْ وَقْتِ الْاَکْلِ فَاِنَّ الْوَقْتَ وَالزَّمَانَ عَزِیْزٌ۔

[اللہ کی قسم مجھے کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ وقت بہت ہی عزیز چیز ہے]

آج کل کے طلباء کے اپنے کھانے پینے کی چیزیں پکانے سے ہی فرصت نہیں

ملتی۔ رہی سہی کسر گپ شپ سے پوری ہو جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ مطالعہ کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالبعلمی کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

''دریں اثناء مطالعہ کے وقت از نیم شب درمی مطالعہ گزشت والد قدس سرہ مرا فرمودی زدابا باچہ می کنی''

(جب مجھے مطالعہ کرتے آدھی رات سے زیادہ وقت گزر جاتا تو والد صاحب فرماتے بھلا کب تک جاگو گے)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کے مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔ شاہ اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ حبب ناظم اعلی مظاہر العلوم سہارنپور فرمایا کرتے تھے کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔ حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بینی کا اتنا شوق تھا کہ جب بیمار ہوتے تو بھی سرہانے کتابوں کا انبار لگا رہتا۔ فرمایا کرتے کہ میری بیماری کا علاج کتب بینی ہے۔ علامہ صدیق احمد کشمیری رحمۃ اللہ علیہ زمانہ طالبعلمی میں صرف روٹی مطبخ سے لیتے سالن نہ لیتے تھے۔ روٹی جیب میں ڈال لیتے جب موقع ہوتا کھا لیتے۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانے میں وقت صرف ہوتا تھا۔

مولانا منہاج الدین حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ زمانہ طالبعلمی میں لاہور سے دہلی گئے تو دکانداروں کے چھوٹے موٹے کام کر کے ان سے آٹا اور گھی لے لیا کرتے تھے۔ رات کو آٹے کا چراغ بنا کر اس میں گھی ڈالتے اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے۔ دن میں

اس کی ٹکیاں پکا کر کھا لیتے اور اسی پر قناعت کرتے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اتنی شہرت پائی کہ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ
ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ
دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ
کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ
یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق
جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ
اسعد مطالعہ میں گذاروں تمام عمر
ہے علم و فضل کے لئے مشعل مطالعہ

8- سبق کی پابندی:

طالبعلم کو چاہئے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے۔ بسا اوقات اس ناقدری کی وجہ سے انسان علم سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ برسوں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر رہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز فجر کے بعد درس شروع کر دیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جدا نہ ہوتا تھا۔ مجلس علم کی شرکت مجھے اتنی محبوب تھی۔ مناقب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

مَاتَ ابْنٌ لِیْ فَلَمْ اَحْضُرْ جَنَازَةً وَلَا دَفْنًا وَتَرَکْتُهٗ عَلٰی جِیْرَانِیْ وَ اَقْرِبَائِیْ مَخَافَةً اَنْ یَّفُوْتَنِیْ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ شَیْءٌ وَلَا تَذْهَبُ حَسْرَتُهٗ اَبَدًا

[میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا لیکن میں نہ جا سکا اور نہ جنازہ وتجہیز وتکفین میں شامل ہو سکا۔ یہ کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کر دیا۔ یہ کام اس اندیشہ سے کیا کہ کہیں امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے۔ کہ جس کی حسرت کبھی ختم نہ ہو]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سبق میں شریک ہونے کے لئے اس قدر دوڑا کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس پھول جاتا تھا۔

ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ ہاتھی آ گیا۔ اس آواز کو سنتے ہی طلباء درس چھوڑ کر بھاگ گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ان کا ایک شاگرد یحیٰی اطمینان سے بیٹھا سبق پڑھ رہا ہے۔ پوچھا اے یحیٰی! آپ ہاتھی دیکھنے نہیں گئے۔ عرض کیا، حضرت! میں نے علم حاصل کرنے کیلئے اپنا وطن چھوڑا تھا ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر اسے عاقل اہل اندلس کا لقب دیا۔ یہی طالبعلم بعد میں ناقل موطا امام مالک بنے۔ آج ایسا وقت آ گیا ہے طلباء ریچھ اور بندر دیکھنے کے لئے سبق قضا کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالات زندگی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالبعلمی میں جب دیو بند حاضر ہوا تو ناظم صاحب نے بتایا کہ قصبہ کے لوگ جتنے طلباء کی روٹی کا انتظام کر سکتے ہیں اتنے طلباء کو داخلہ دے دیا گیا ہے۔ ہم آپ کو داخلہ نہیں دے سکتے چونکہ ہمارے ہاں مطبخ کا انتظام نہیں ہے، طلباء کی روٹی کا انتظام مختلف گھروں سے ہوتا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی روٹی کا ذمہ خود قبول کر لوں تو کیا سبق میں حاضری کی اجازت مل سکتی ہے۔ ناظم صاحب نے داخلہ دے دیا۔ جب آپ روزانہ اسباق سے فارغ ہوتے تو رات ہو چکی ہوتی اور اکثر طلباء سو جاتے۔ آپ اس وقت

مدرسے سے باہر جاتے اور پھلوں کی دکان کے ساتھ پڑے ہوئے چھلکے اٹھا لیتے پھرانہیں دھو کر کھا لیتے۔ سارا سال پھلوں کے چھلکے کھا کر گزارا کیا مگر اسباق قضا نہ ہونے دیئے۔ آپ کی قناعت کا یہ عالم تھا ایک دفعہ راستے میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک آدمی اپنا کمبل کوڑے کرکٹ میں پھینکنا چاہتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اسے کیوں پھینک رہے ہو۔ اس نے کہا کہ یہ پرانا ہو گیا ہے۔ آپ نے کہا کیا یہ کمبل میں لے سکتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ وہ کمبل اٹھا کر لائے اسے دھویا۔ سردیوں میں آدھا نیچے بچھا لیتے آدھا اوپر اوڑھ لیتے۔ جب گرمیاں آتیں تو سارا تہہ کر کے نیچے بچھا لیتے۔ اسی حال میں پندرہ سال گزار دیئے۔

8- تکرار اور مذاکرہ:

سلف صالحین کا قول ہے کہ:

لِكُلِّ شَيْءٍ بَابٌ وَ بَابُ الْعِلْمِ تَكْرَارٌ

(ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور علم کا دروازہ تکرار ہے)

اور ایک اور قول یہ بھی ہے

اَلْعِلْمُ يَزِيْدُ بِالتَّكْرَارِ (یعنی علم تکرار کرنے سے زیادہ ہوتا ہے)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حدیث کا مذاکرہ کرو کیونکہ مذاکرہ سے علم جوش مارتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے۔ پھر عرض کیا کہ شاید آپ

اکتا گئی ہوں گی۔ فرمانے لگیں کیا کہتے ہو؟ ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے۔ علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "علم میں گفتگو کرتے رہا کرو تا کہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں"

(جامع البیان)

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ طالبعلم کو چاہئے کہ گذشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ کرے، اس سے پہلے کا چار مرتبہ، اس سے پہلے کا تین مرتبہ، اس سے پہلے کا دو مرتبہ اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ روزانہ تکرار کرے۔ یہ علم محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک گذشتہ سبق کو تکرار کر کے یاد نہ کرے اس وقت تک دوسرا سبق ہرگز نہ پڑھے۔

طالبعلم کو سبق کے تکرار میں کوئی حجاب اور عار نہیں ہونا چاہئے۔ عطا خراسانی کے حالات میں لکھا ہے۔

اِذَا لَمْ يَجِدْ اَحَدٌ اَتَى الْمِسْكِيْنَ فَحَدَّثَهُمْ

(جب کوئی نہ ملتا تو غرباء ومسکین کے پاس جا کر ان کو دین کی باتیں سناتے)

میر سید شریف جرجانی کا مشہور قصہ ہے کہ علامہ قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے شاگرد عزیز ملا مبارک شاہ کے پاس بھیج دیا۔ عام طور پر لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کہا کرتے تھے۔ انہوں نے میر صاحب کو اپنے حلقہ درس میں صرف سماع کی اجازت دی۔ پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن مبارک شاہ رات یہ دیکھنے چپ چاپ نکلے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں۔ جس حجرے میں میر صاحب رہتے تھے۔ وہاں سے آواز آ رہی تھی

کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے۔ استاد نے یوں بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں۔ مبارک شاہ کان لگا کر کافی دیر سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے۔

تکرار کرنے والے طلباء اپنے علم میں اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ گزشتہ سال کی کتابیں طلباء کو پڑھا سکتے ہیں۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔

وَكُلَّمَا فَرَغْتُ مِنْ تَحْصِيلِ كِتَابٍ شَرَعْتُ فِي تَدْرِيسِهِ

(جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہو جاتا اس کو پڑھانا شروع کر دیتا)

بعض حضرات کے زمانہ طالبعلمی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب انہیں کوئی طالبعلم تکرار کے لئے نہ ملتا تو دیوار کے سامنے بیٹھ جاتے اور دیوار کو مخاطب کر کے سبق کا تکرار کر لیتے۔ پھر فرض کر لیتے کہ مخاطب نے بات نہیں سمجھی تو انداز بدل کر بات سمجھاتے۔ اس طرح کئی مرتبہ تکرار کرنے سے سبق ازبر ہو جاتا۔

8. طالبعلم کو علم کا حریص ہونا چاہئے۔ اگر وطن میں مواقع میسر نہ ہوں تو سفر کرنے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

عزت اسے ملے جو گھر سے نکل گیا
وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

حضرت ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مومن کو علم سے سیری حاصل نہیں ہوتی یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے''

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ علم کب تک حاصل کرنا چاہئے فرمایا' جب تک زندگی ہے۔ سعید بن مسیبؒ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک حدیث کے

لئے کئی دن اور کئی رات کا سفر کیا کرتا تھا۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

''اگر کوئی شخص ملک شام کے آخر سے چل کر یمن کے آخر تک محض اس لئے سفر کرے کہ علم کی ایک بات سن لے تو میرے نزدیک اس کا سفر ضائع نہیں ہوا''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"جو کوئی طلب علم کے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا اس کی عقل میں نقص ہے"

ابن ابی غسان کا مقولہ ہے

"آدمی اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے جب طالبعلمی کو خیر باد کہہ دے تو جاہل ہے"

ابواسامہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں

مَارَأَیْتُ رَجُلًا اَطْلَبُ الْعِلْمِ فِی الْاٰفَاقِ مِنْ اِبْنِ الْمُبَارِکِ

[میں نے عبداللہ بن مبارک سے زیادہ ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی مرتبہ طلب علم کے لئے نکلے تو سات سال تک سفر ہی میں رہے۔ بحرین سے مصر پھر رملہ وہاں سے طرطوس کا سفر پیدل کیا۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ابن المقری فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا۔ ان بزرگوں کے دل میں شوق علم کی ایسی بے تابی تھی جو انکو کسی شہر یا ملک میں قرار نہیں لینے دیتی تھی۔ ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کا سفر تحصیل علم کے لئے کرتے تھے۔

9. طالبعلم کو علم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں انہیں بخوشی برداشت کرے:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ طالبعلم اگر تحصیل علم کی حالت میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔ اصحاب صفہ کا حال اس راستے کی تکالیف برداشت کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک اس راستہ میں فقر و فاقہ کی لذت نہ چکھی جائے۔ پھر اپنے استاد ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ مدینہ منورہ کے کوڑے کرکٹ سے چیزیں اٹھا کر انہیں صاف کر کے کھا لیتے تھے۔ مگر حصول علم میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ میں سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے تھے تو ایک دن خلاف معمول سبق میں دیر سے پہنچے۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر بتایا کہ کپڑے چوری ہو گئے لہذا پریشانی ہوئی۔ ایک ساتھی نے اشرفی پیش کی کہ چاہیں تو قرض لے لیں چاہیں تو ہدیہ قبول فرمالیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔ ساتھی نے کہا اچھا میرے لئے کچھ کتابت کر دیں۔ تب انہوں نے ایک مخطوطہ لکھا اور اشرفی کو عوض کے طور پر قبول کیا۔ علی بن جہم لوگوں کو یہ مخطوطہ دکھاتے اور پھر یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالبعلمی میں رات کو جہاں بازار کی لالٹین جلتی تھی وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے۔ بعض اوقات سردی سے ہڈیاں کپکپا اٹھتیں۔ رات کو مسجد کی چھت میں لپیٹ کر سو جاتے۔

ابن المقری، ابوالشیخ اور طبرانی رحمہ اللہ علیہم تینوں ایک زمانے میں مدینہ

طیبہ میں طالبعلم تھے۔ایک بار اتنے فاقے آئے کہ روزے پر روزہ رکھا حتی کہ بھوک نے مضطرب کر دیا۔تو حضور کے روضے پر حاضر ہو کر عرض کیا۔یارسول اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم! الجوع (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بھوک نے ہمیں ستا رکھا ہے)۔اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور ابوالشیخ اور ابن المقری قیام گاہ پر لوٹ گئے۔ وہ صدا خالی کب جاتی۔ تھوڑی دیر کے بعد مکان کے دروازے پر دستک ہوئی تو دیکھا کہ ایک آدمی اپنے خدام سمیت بہت سارا ساز وسامان لے کر کھڑا ہے۔ پوچھا کیسے آئے ہو کہنے لگا' میں علوی النسب ہوں مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ سامان تمہارے پاس پہنچا دوں۔

امام ابوعلی بلخی رحمۃ اللہ علیہ جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہو گئے کہ کئی کئی فاقوں کی نوبت آئی اور ضعف کی بناء پر لکھنا مشکل ہو گیا۔ جب بھوک سے بہت زیادہ پریشان ہوئے تو نان بائی کی دکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ روٹی کی خوشبو سونگھ کر دل کو فرحت نصیب ہو اور طبیعت بہل جائے۔

میر مبارک محدث بلگرامی ایک مرتبہ شدت بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑے بہت استفسار کے بعد فرمایا کہ تین دن سے بھوکا تھا۔ ان کا شاگرد میر طفیل کھانا لے کر آیا تو میر مبارک نے انکار کر دیا کہ میرے نفس میں امید قائم ہو گئی تھی لہٰذا اشراف نفس کی وجہ سے کھانا جائز نہیں۔ میر طفیل نے کھانا اٹھا لیا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ حاضر خدمت ہو کر کہا کہ حضرت! اب تو آپ کو امید نہ رہی ہوگی۔ آپ نے بخوشی کھانا تناول فرمایا اور شاگرد کی حسن تدبیر پر بہت خوش ہوئے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں منقول ہیں جن بندگان خدا نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں انہی سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔

10. طالبعلم کو چاہئے کہ زمانہ طالبعلمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرے:

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ (انشرح:۷،۸)

(جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو محنت کریں اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں)

علماء چونکہ ورثۃ الانبیاء ہیں لہٰذا انہیں بھی ذکر، فکر، مراقبہ اور محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے

''مجھے سب سے افضل مشغلہ تعلیم وتدریس کا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو دنیا میں فائدہ پہنچانے والے زیادہ ہیں۔ میں نے اپنی نیت کو ٹٹولا تو اس میں طلب جاہ وحصول شہرت کو پایا۔ پس مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ میں نے یوں محسوس کیا کہ غار کے کنارے کھڑا ہوں اگر اصلاح احوال کی کوشش نہ کی تو بڑا خطرہ ہے''

پس یہ خیال آنے کے بعد آپ گیارہ سال تک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی محنت میں مشغول رہے حتی کہ باطن تمام آلائشوں سے پاک ہوگیا۔

باب نمبر 7

آداب المعلمین

1 استاد کو چاہئے کہ علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو۔
محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے یہ کام کرے اور بزبان حال یوں کہے۔
یٰقَوۡمِ لَا اَسۡئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا. اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ.
[اے میری قوم! میں آپ سے اس پر بدلہ نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو اللہ کے ذمے ہے]
لوگوں کی جیب پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے خزانوں پر نظر رکھے۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ علماء کو وہیں سے رزق دیتا ہے جہاں سے انبیاء کو رزق دیا کرتا تھا۔
محض دنیاوی راحت اور آرام کی خاطر اور تنخواہ کی زیادتی یا کمی کی وجہ سے ایک درسگاہ کو چھوڑ کر دوسری درسگاہ میں نہ جانا چاہئے۔ اس کو معمولی نہ سمجھیں کہ یہ تو علم کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنانا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔
مَنۡ تَعَلَّمَ عِلۡمًا مِمَّا يُبۡتَغٰى بِهٖ وَجۡهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيَطۡلُبَ

عَرَضًا مِنَ الدُّنيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ (ابوداؤد وابن ماجہ)

[جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مقصد دنیا ہے تو ایسے شخص کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی]

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم وحکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق چلی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اس کو دین میں متہم سمجھو اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس میں گھسا کرتا ہے۔

بِئْسَ الْمَطَاعِمُ حِيْنَ الذُّلِّ تَكْسِبُهَا ۔ اَلْقِدْرُ مُنْتَصَبٌ وَالْقَدْرُ مَخْفُوْضٌ

[وہ کھانے کس قدر برے ہیں جن کو تو ذلت کے ساتھ حاصل کر رہا ہے کہ ہانڈی تو چولھے پر چڑھی ہے اور عزت خاک میں مل رہی ہے]

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد کافی امیر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ آپ کو کافی چیزیں بطور ہدیہ پیش کیں۔ حضرت حماد نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرلو۔ چاہو تو آپ کے یہ تحائف قبول کرلوں مگر آج کے بعد تمہیں حدیث نہیں پڑھاؤں گا۔ اور اگر چاہتے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں تو پھر یہ ہدیہ قبول نہ کروں گا۔

(کفایہ: ص ۱۵۴)

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عمر بن حریث نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے۔ انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے۔ کتاب اللہ پر اجرت لینا مناسب نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

حدیث کے مشہور راوی زکریا عدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا۔ پوچھا، کیا تم مجھ سے حدیث پڑھتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں حدیث پڑھانے پر اجرت لوں۔

ایک مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے، یہ تو صاف دین فروشی ہے۔ حکیم الامت نے جواب دیا کہ تنخواہ لینی چاہئے کیونکہ اس سے طبیعت پر بوجھ رہے گا کہ کام اچھی طرح کرنا چاہئے۔ مولانا نے عرض کیا، یہ تو ہوئی مصلحت مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے کہ اس میں دین فروشی ہے۔ حکیم الامت نے جواب دیا کہ تنخواہ میں دین فروشی ہے یا نہیں اس کی بہترین پہچان یہ ہے کہ اگر کسی جگہ گزارہ کی تنخواہ ملتی ہے مگر دوسری جگہ زیادہ کی صورت نظر آئی مگر دینی خدمت کا موقع زیادہ نہیں تو اگر پہلی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے گا تو دین فروشی ہوگی۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ریاست بہاولپور میں بہت زیادہ مشاہرہ پر کام کر رہے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ نے خط لکھا کہ حضرت! آپ امیروں کی بریانی تو کھاتے رہتے ہیں ہم فقیروں کی دال بھی قبول فرمائیں۔ حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی تفصیل معلوم کے وہاں استعفیٰ پیش کیا اور بقیہ زندگی جامعہ اشرفیہ میں دینی خدمت کرتے کرتے گزار دی۔

ریاست بہاولپور میں جب جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو نواب صاحب نے علماء کرام سے پوچھا کہ اس مدرسے کی آبادی کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے

جواب دیا کہ ہم آپ کو ایک عالم باعمل کا نام بتا دیں گے۔آپ انہیں کام کے لئے یہاں لے آنا تو مدرسہ خود بخود آباد ہو جائے گا۔نواب صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے ہیرا آپ چنیں قیمت میں لگا دوں گا۔جب عمارت مکمل ہوگئی تو نواب صاحب نے پوچھا کہ کس عالم کو یہاں کا انتظام وانصرام سپرد کرنا ہے۔علمائے کرام نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا۔نواب صاحب نے پوچھا کہ دیو بند میں کیا مشاہرہ لے رہے ہوں گے۔جواب ملا دو یا تین روپے ماہانہ۔نواب صاحب نے کہا کہ آپ وفد کی صورت میں جا کر انہیں دعوت دیں اور بتائیں کہ انہیں یہاں تعلیم وتدریس کی ہر آسانی ہوگی۔مزید برآں انہیں سو روپے ماہانہ مشاہرہ بھی پیش کیا جائے گا۔علمائے کرام نواب صاحب کی اس فراخدلی پر بہت خوش ہوئے اور کچھ عرصے کے بعد ایک وفد کی صورت میں دیو بند حاضر ہوئے۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی خصوصیات نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیں۔نواب صاحب کی دیندارانہ اور فیاضانہ طبیعت کا نقشہ بھی خوب کھینچا اور یہ بھی بتایا کہ وہاں جانے کی صورت میں آپ کو سو روپے ماہانہ مشاہرہ عطا کیا جائے گا۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہاں میرا مشاہرہ تین روپے ماہانہ ہے۔دو روپے میرے گھر کا خرچہ ہے اور تیسرا روپیہ میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔اگر میں بہاولپور چلا گیا اور مجھے ماہانہ سو روپے ملے تو دو روپے تو میرے گھر کے خرچہ کے ہوں گے اور بقیہ اٹھانوے روپے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے سارا دن اسی کام میں مشغول رہنا پڑے گا۔میں پھر تعلیم تدریس کا کام کیسے کروں گا؟ لہٰذا میں وہاں جانے سے معذور ہوں۔علمائے کرام یہ جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔

دین کی محنت کرنے والے حضرات جس قدر استغناء سے کام کریں گے اسی قدر دینی محنت کے گہرے اثرات ہوں گے۔ انہیں چاہیئے کہ امراء کو استغناء کی چھری سے ذبح کریں۔ دنیا سے جتنی بے رغبتی ہوگی دین کی شان وشوکت اتنی زیادہ ہوگی۔ سلف صالحین تو ایسے شاگرد سے ہدیہ بھی قبول نہ فرماتے تھے جس پر دین کا رنگ نہ چڑھا ہو یا جو احسان جتا کر ہدیہ دے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے ہدیہ پیش کیا آپ نے معذرت کر دی۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی انکار کرتے رہے۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو واپس گھر جانے لگا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوتوں پر پڑی اس نے وہ تمام رقم حضرت کے جوتوں میں چھپا دی۔ دل میں یہ خیال تھا کہ جب حضرت گھر جانے کے لئے جوتے پہنیں گے تو رقم کو خواہ مخواہ قبول کرنا پڑے گا۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے باہر نکلے اور رقم جوتے میں پڑی دیکھی تو حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ جو آدمی دنیا کو دور دھکیلتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں ذلیل وخوار ہو کر آتی ہے۔ پہلے یہ بات کتابوں میں پڑھتے تھے آج الحمد للہ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے بیعت کی جو حکومت کے کسی اعلےٰ عہدے پر تعینات تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک لاکھ روپیہ ہدیہ منی آرڈر کے ذریعے بھیجا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس بھیج دیا ان صاحب کو ہرگز یہ توقع نہ تھی۔ انہوں نے خط میں لکھا کہ میں نے ایک لاکھ روپے بھیجے جو آپ نے واپس کر دیئے۔ آپ کو مجھ جیسا کوئی مرید نہ ملے گا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ میں نے پیسے واپس بھیج دیئے ہیں آپ کو بھی مجھ جیسا کوئی پیر

نہیں ملے گا جو ایک لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

انہی سلف صالحین کی شان تھی کہ دنیا ذلیل ہو کر ان کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتی تھی۔

اَتَتْهُمُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ (دنیا ان کے پاس ذلیل خوار ہو کر آتی ہے)

تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے اگر اپنے دلوں میں دنیا کی بے وقعتی پیدا کر لیں اور استغناء کے ساتھ دین کا کام کریں تو آج بھی اس کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

2 استاد کو چاہئے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ

(میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا والد اپنے لڑکے کے لئے)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب طلباء حاضر ہوتے تو آپ فرماتے سنو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"عنقریب تمہارے لئے زمین مسخر کردی جائیگی اور تمہارے پاس کم عمر آئیں گے جو علم کے بھوکے پیاسے ہوں گے۔ تفقہ فی الدین کے خواہش مند ہوں گے۔ تم سے دین سیکھنا چاہیں گے پس جب وہ آئیں تو انہیں تعلیم دینا' مہربانی سے پیش آنا' ان کی آؤ بھگت کرنا اور انہیں حدیث بتانا" (جامع البیان لعلم)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں۔ ایک

عالم دین کے بیٹے نے ان کے کسی شاگرد کے ساتھ بدتمیزی کی تو انہوں نے غصے میں آ کر فرمایا ''دیکھو' یہ میرے سینے کی اولاد ہے جبکہ تم میرے پیشاب کی اولاد ہو''۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ طلباء سے بہت محبت والفت سے پیش آتے۔ ایک دفعہ مسجد کے صحن میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ اچانک زور دار بارش شروع ہو گئی۔ طلباء اپنی کتابوں کو پانی میں بھیگنے سے بچانے کیلئے جوتے وہیں چھوڑ کر کمروں کی طرف بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا رومال بچھایا اور تمام جوتوں کو اس میں رکھ کر گٹھڑی باندھی اور سر پر اٹھا کر اندر لے آئے۔ طلباء نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ حضرت ہم خود ہی جوتے اٹھا لیتے آپ نے کیوں ایسا کیا۔ حضرت نے جواب دیا کہ جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے۔

استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب طالبعلم بیمار ہوتا تو اس کی قیامگاہ پر جا کر اس کی عیادت کرتے۔ مختلف طریقوں سے اس کی دلجوئی کرتے۔ اس زمانے میں دار الاقامہ نہیں بنا تھا اور طلباء مختلف مساجد اور مکانوں میں رہتے تھے۔

استاد کو چاہئے کہ غصہ اور طیش میں آ کر بچوں کو سزا نہ دے۔ یہ حماقت ہے کہ آدمی جس برتن میں کچھ ڈالنا چاہے اسی میں سوراخ کر دے۔ جب شاگرد کے دل کو مار پیٹ سے چھلنی کر دے گا تو اس میں خیر کی بات کیسے ڈال سکے گا۔ خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے وقتی طور پر کام چل جاتا ہے مگر اس کے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ یہ اصول کی بات ہے کہ وہی استاد شاگرد پر ہاتھ اٹھاتا ہے جو اپنی شکست تسلیم کر لے کہ میں زبان سے سمجھانے سے قاصر ہوں۔ چھوٹے بچوں کے

دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی برا ہے جیسا کہ نرم و نازک پودے کو سخت گرمی کی تپش لگنا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہیئے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

(اگر آپ سخت گیر سنگدل ہوتے تو یہ آپ کے گرد سے بھاگ جاتے)

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں یہ فرماتے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔ جس طرح مریض کڑوی دوا پینے سے گریز کرتا ہے اسی طرح شاگرد تند خو استاد سے علم حاصل کرنے میں تنگی محسوس کرتا ہے۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ استاد مشفق کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے۔ چونکہ استاد کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں۔ اس آرزو کی برکت سے اور اس کی شفقت سے اس کا لڑکا عالم بن جاتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک طالبعلم فراش (بچھونا) پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فراش زیادہ پایا۔ فی الفور زائد فراش اپنے نیچے سے نکال کر اس طالبعلم کے نیچے بچھا دیا۔

استاد کو چاہیئے کہ شاگردوں کے ساتھ نرم روئی نرم خوئی کا معاملہ کرے۔

3 استاد کو چاہیئے کہ طلبہ کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

چند باتیں غور طلب ہیں۔

اگر طالبعلم اپنے اخراجات کو پورا نہ کر سکتا ہو تو استاد اسکا حتی الوسع بندوبست کرے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی والدہ نے کسب معاش کے لئے بھیجا۔ یہ حصول رزق کے لئے مختلف کام کرتے رہے۔ والدہ کا مشورہ یہ تھا کہ اگر کپڑے دھونے کا فن سیکھ لیں تو کچھ گذراوقات کے لئے بندوبست ہو جائیگا۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوئے تو انہیں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ والدہ صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ محنت مزدوری کر کے پیسہ کمائیں اور ان کا جی چاہتا تھا کہ علم حاصل کر کے عالم بنوں۔ انہوں نے سارا حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار کر دیا۔ امام صاحبؒ نے شاگرد رشید میں سعادت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ آپ درس میں باقاعدگی سے آتے رہیں ہم اپ کو کچھ ماہانہ وظیفہ دے دیا کریں گے وہ آپ اپنی والدہ کو دے دیا کریں۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سارا مہینہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں شریک رہتے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرہ سے کچھ وظیفہ کے طور پر پیسے دے دیتے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے سپرد کر دیتے۔ کافی عرصہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ ایک دن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو پتہ چلا کہ بیٹا محنت مزدوری کی بجائے تحصیل علم میں مشغول ہے تو وہ برافروختہ ہوئیں۔ بیٹے کو سمجھایا کہ تمہارے والد فوت ہو گئے ہیں گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں جو کما سکے لہٰذا تم اگر کوئی کام کاج کرتے تو اچھا ہوتا۔ بہتر تھا کہ کوئی فن سیکھ لیتے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب ماجرا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امام صاحب نے کہا کہ اپنی والدہ سے کہنا کہ کسی

وقت آ کر میری بات سنیں۔ چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ والدہ نے امام صاحبؒ کی خدمت میں وہی صورتحال پیش کی جو آپ پہلے سن چکے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے بیٹے کو ایک فن سکھا رہا ہوں کہ جس سے یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سمجھیں کہ شاید امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوش طبعی فرما رہے ہیں تاہم خاموش ہو گئیں کیونکہ گھر کا خرچ تو وظیفہ کی وجہ سے چل رہا تھا۔

جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل علم سے فراغت حاصل کر لی اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام بن گئے تو ان کے علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ حکومت وقت نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا تو انہوں نے علمی مشغولیت کی وجہ سے معذرت کر دی۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ وہ یہ عہدہ قبول کر لیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وقت کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بن گئے۔ پورے ملک میں ان کی قبولیت عام ہو گئی۔ حکومت وقت نے یہ ذمہ لیا کہ کام کے دوران کھانے کا بندوبست حکومت کی طرف سے ہوگا۔ ایک دفعہ خلیفۂ وقت ان کو ملنے کے لئے آیا اور اپنے ہمراہ پیالے میں فالودہ لایا۔ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا تو کہا' حضرت! یہ قبول فرمائیں، یہ وہ نعمت ہے جو ہمیں کبھی کبھی ملتی ہے مگر آپ کو روزانہ ملا کرے گی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حیران ہوئے کہ استاد مکرم کی زبان سے نکلی ہوئی بات من وعن پوری ہو گئی۔

محمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے طرطوس سے شام کا سفر کیا تو راستے میں رقہ کی سرائے میں قیام فرمایا۔

وہاں آپ کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جسکی نیکی اور پرہیزگاری آپ کو پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے معمول بنا لیا کہ جب بھی اس سرائے میں قیام پذیر ہوتے تو اس نوجوان سے ملاقات کرتے۔ ایک مرتبہ آپ رقہ میں قیام پذیر ہوئے تو نوجوان کو غیر حاضر پایا۔ جب لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ کسی وجہ سے دس ہزار درہم کا مقروض ہو گیا تھا اور قرض خواہوں نے مل کر اسے جیل بھجوا دیا۔ آپ کو بہت افسوس ہوا۔ آپ نے قرض خواہوں کو بلایا اور دس ہزار روپے اپنی گرہ سے ادا کر دیئے۔ اور یہ وعدہ لیا کہ وہ نوجوان کو یہ نہیں بتائیں گے کہ قرض کی رقم کس نے ادا کی ہے۔ جب نوجوان کو رہا کیا گیا اور بتایا گیا کہ کسی مسافر نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ جیل سے باہر نکلنے پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ شام کی طرف جا رہے ہیں اور ابھی چند ہی دن پہلے اپنی اگلی منزل پر روانہ ہوئے ہیں۔ اس نوجوان کے دل میں ملاقات کا شوق موجزن ہوا۔ اس نے بھی کوشش کی اور اگلی منزل پر جا پہنچا۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے خوشی خوشی اس سے پوچھا کہ رہائی کیسے ہوئی؟ اس نے بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے اس کا قرض اتار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اس نے تمہیں مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ واقعہ مخفی رہا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو قرض خواہ نے پورا قصہ سنایا تب لوگ حیران ہوئے کہ عالم باعمل نے کس طرح اپنے شاگرد پر احسان کیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مالی امداد کی اور فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عراق کے زمانۂ قیام میں ایک بار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرض کے

سلسلے میں نظر بند کر دیئے گئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کروایا (مناقب کردری: ص ۱۵۰)

کنز العمال کے مصنف شیخ علی متقی کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ طلباء کو اپنے ہاتھ سے بڑی بڑی کتابیں لکھ کر دیا کرتے تھے۔ سیاہی خود بناتے تھے اور طلبہ کے لئے قلم و سیاہی کا انتظام اپنے پاس سے کرتے تھے۔

4 استاد کو چاہئے کہ سبق کا ناغہ نہ کرے۔

اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو دوسرے اوقات میں اس کی تلافی کر دے۔ اگر طالبعلم کسی بیماری میں مبتلا ہے اور اگر نہ ہو تو اس کے لانے کا بندوبست کر دے۔ اگر نہ ہو سکے تو خود جا کر طالبعلم کو پڑھانے میں اپنی عظمت سمجھے۔

ربیع بن سلمان رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہیں علم گھول کر پلا سکتا تو پلا دیتا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ طلباء میرے پاس آ کر علم حاصل نہ کرتے تو میں ان کے پاس جا کر انہیں علم پڑھاتا۔

حضرت قاری عبدالحلیم پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے بہت سے اسباق تھے۔ ایک مرتبہ چند طلباء نے "سبعہ" پڑھنے کی درخواست کی۔ فرمایا وقت نہیں مگر تمہارے لئے کوئی صورت نکال لوں گا۔ آپ نماز ظہر کے بعد ہدایہ پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد مختلف مساجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر آتے اور ہدایہ کا درس سنتے تھے۔ آپ سبعہ کے لئے ظہر کے بعد اور ہدایہ سے پہلے کا وقت متعین فرما دیا۔ جب سبعہ کا درس شروع ہوا تو آہستہ آہستہ اور طلباء بھی شامل ہوتے گئے

تی کہ مستقل جماعت بن گئی۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے سبق پورا نہیں ہوتا لہٰذا عشاء کے بعد بھی آ جایا کرو۔ طلبہ نے سبعہ پڑھنے کے لئے عشاء کے بعد بھی آنا شروع کر دیا۔ چار ماہ کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ اگر کچھ مزید وقت دے دیا جائے تو رمضان المبارک سے پہلے پوری کتاب مکمل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے طلبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ رات کو میرے مکان پر سو جایا کریں۔ صبح تہجد کے وقت سے فجر تک کے درمیان سبعہ پڑھائیں گے۔ چنانچہ طلبہ نے عشاء کے بعد آپ کے گھر میں قیام کرنا شروع کر دیا اور رمضان المبارک سے پہلے کتاب مکمل ہو گئی۔ طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اوقات کی قربانی دینے کی یہ عمدہ مثال ہے۔

استاد کو چاہئے کہ جب تک شاگرد پچھلا سبق یاد نہ کرے وہ اسے اگلا سبق نہ دے۔ طالبعلم کی آسانی کے لئے سبق سے متعلق سوالات تحریر کر دے اور دوسرے دن زبانی ان کا جواب پوچھے۔ وقتاً فوقتاً طلبہ سے علمی سوالات پوچھتا رہے تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ معاذ! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بندوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر پوچھا، بتاؤ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اس کی بشارت دے دوں۔ فرمایا نہیں ان کو عمل کرنے دو۔ (مشکوٰۃ شریف)

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے شاگردوں سے پوچھا کہ وہ کونسی نماز ہے جس کی ہر رکعت کے بعد آدمی التحیات میں بیٹھتا ہے؟ طلباء نے کہا معلوم نہیں۔ فرمایا مغرب کی نماز کی پہلی رکعت جب فوت ہو جائے تو نماز میں شریک ہونے والے کو ہر رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اگر استاد کو یہ معلوم ہو جائے کہ سبق پڑھانے میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو فوراً رجوع کر لے اور طالبعلم سے کہہ دے کہ فلاں بات کرنے میں فلاں غلطی ہوئی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر طالبعلم عبارت کا مفہوم صحیح بتا رہا ہو تو اسے مان لینے ہی میں استاد کی عظمت ہے۔ اس طرح استاد کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس کی دیانت اور امانت کا سکہ طالبعلم کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

محمد ابن کعب قرظی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بتا دیا۔ محفل میں موجود ایک شخص نے کہا امیر المومنین! مسئلہ یوں نہیں، یوں ہے۔ حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیشک تم صحیح کہتے ہو مجھ سے غلطی ہوئی۔ (جامع بیان العلم)

سید اسماعیل بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ جب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے گئے تو ان کے پاس فارغ وقت نہ تھا لہٰذا انہوں نے ایک جماعت میں شریک کر دیا۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے اسباق سنتے اور کوئی سوال نہ پوچھتے۔ ایک مدت کے بعد ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تم نے کبھی ایک حرف بھی نہیں پوچھا اس طرح پڑھنے میں کیا فائدہ۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، حضرت! خالی وقت ہو تو دریافت کروں۔ دوسرے طلباء کے اوقات میں سوال پوچھتے ہوئے ان کے وقت ضائع ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بعد نماز عصر آ کر سوال پوچھئے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز

عصر کے بعد سوال پوچھا تو اس مسئلے پر گفتگو کرتے کرتے مغرب ہوگئی۔ مغرب کے بعد پھر گفتگو شروع کی تو عشاء ہوگئی۔ بعد عشاء ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل تمام اسباق روک کر یہ مسئلہ سمجھائیں گے۔ لکھا ہے کہ شاگرد استاد میں متواتر تین دن گفتگو ہوتی رہی۔ ملا عبدالحکیمؒ نے پوچھا' آخر تمہاری رائے اس مسئلہ میں کیا ہے۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے نام ظاہر کئے بغیر ایک تحریر پیش کی اور کہا کہ اس مقام میں یہ تحقیق کی گئی ہے۔ ملا صاحب نے دیکھا تو پسند فرمایا۔

اگر استاد دیکھے کہ طالبعلم ذہین ہے تو اسے کند ذہن طلباء کے ساتھ جماعت بندی کی قید میں نہ رکھے بلکہ اس کے ذہن اور استعداد کے مطابق اسے پڑھائے تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ دن کا درس تو عام طلباء کیلئے ہوتا تھا جبکہ رات میں دور دراز سے آنے والے خاص طلباء کے لئے ہوتا تھا۔

حضرت مولانا عجب نور صاحب نے درسیات کی تعلیم تین سال میں مکمل کرلی۔ فراغت سے پہلے قاضی مبارک کا بائیس مرتبہ تکرار کیا۔ قاضی احمد اللہ، شمس بازغہ، میر زاہد، امور عامہ، تصریح، شرح چغمینی جیسی مشکل کتابیں حفظ پڑھاتے تھے۔ ہدایہ اخیرین اور توضیح تلویح بھی ان کے یہاں عجیب انداز سے ہوتیں۔ ایک طالبعلم نے "میر زاہد امور عامہ" کے سبق میں کہہ دیا عجیب کتاب لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر مولانا میر زاہد جیسے حالات آج کل کے علماء کو نصیب ہوں تو وہ اس جیسی کئی کتابیں لکھ دیں۔ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ میں ہدایۃ النحو تک پڑھا۔ ظاہر ہے اگر انہیں جماعت اور نصاب کی قید میں رکھا جاتا تو وقت ضائع ہوتا۔

اگر کوئی مضمون طالبعلم کو دوران سبق سمجھ میں نہ آرہا ہو تو کسی دوسرے وقت

میں سمجھاوے۔ اگر وہ اسے کسی دوسرے استاد سے حل کرنا چاہے تو اس میں ناگواری محسوس نہ کرے بلکہ خود ہی کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اتنا ہی پتہ ہے اگر مزید معلوم کرنا چاہو تو بخوشی اجازت ہے۔ اس کو توہین نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ کون ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھے ہر بات معلوم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو، جو نہیں جانتے کہو، اللہ اعلم۔ کیونکہ علم کا خاصہ یہ بھی ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس میں لاعلمی کا اعتراف کرلے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا' فرمایا' مجھے معلوم نہیں۔ یہ سن کر ان کے ایک شاگرد نے کہا کہ آپ نے لاعلمی کا اقرار کر کے ہمیں شرمندہ کیا۔ فرمایا ملائکہ مقربین تو اقرار کر کے شرمندہ نہ ہوئے بلکہ کہا:

سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم

(پاک ہے تو، ہم نہیں جانتے مگر جو کچھ تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) (البقرہ: ۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ وہ کہنے لگا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اچھا طریقہ اختیار کیا کہ جو نہیں جانتے اس سے لاعلمی کا اقرار کرلیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے میراث کا مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا مجھے نہیں معلوم۔ کہا گیا آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہی تھا جو بات معلوم نہ ہوتی صاف صاف کہہ دیتے کہ مجھے معلوم نہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا، مجھے نہیں معلوم اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو علم نہ رکھنے پر بھی علم کا دعویٰ کرے۔ عبدالرزاق کی

روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ عالم جب "لا ادری" کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لاعلمی کی صورت میں لا ادری کہنا آدھا علم ہے۔

5 استاد کو چاہئے کہ شاگرد کو فقط الفاظ وحروف کی تعلیم ہی نہ دے بلکہ اخلاق حمیدہ کی بھی تلقین کرے۔

اگر شاگرد کو کسی ناشائستہ حرکت پر نصیحت کرنا ہو اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کر دی جائے تو اسے شرمندگی ہوگی تو چاہئے کہ شاگرد کو تنہائی میں نصیحت کرے۔ اگرچہ بعد میں شاگرد کا نام لئے بغیر وہ نصیحت سب کو سنا دے۔ اس طریق کار سے اسے ندامت نہ ہوگی۔ اور نصیحت سے فائدہ دوسروں کو بھی ہو جائے گا۔

استاد کو چاہئے کہ دوران سبق بھی خواہ کسی فن کی کتاب ہو طالب علم کے لئے اصلاح کی بات کرتا رہے۔ آجکل اساتذہ کرام اس کا اہتمام نہیں کرتے جس سے عام طور پر طلباء میں اخلاقی تنزلی آتی جا رہی ہے۔ اسی لئے بعض طلباء مسند درس پر بیٹھنے کے باوجود اپنی اصلاح سے غافل ہوتے ہیں۔ ان کی اس کج روی سے عوام پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مہتمم و ناظم مدرسہ کو اگر کسی طالبعلم سے ناراضگی ہو جائے تو اس کا آسان علاج یہ سمجھا جاتا ہے کہ مدرسہ سے خارج کر دیا جائے۔ کون دانشمند یہ فیصلہ کرے گا کہ اگر کسی عضو پر پھنسی نکل آئے تو وہ عضو کاٹ دیا جائے۔ اگر طلباء سے کبھی کوئی نازیبا بات بھی سننی پڑ جائے تو انا کا مسئلہ نہ بنانا چاہئے۔ اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے مجمع میں حرامی کہا۔ حضرت نے فرمایا یہ غلط ہے میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی موجود ہیں۔ ایک بزرگ کو کسی نے مکار کہا۔ مریدین اسے مارنے کے لئے اٹھے۔ انہوں نے منع فرمادیا۔ پھر گھر آ کر اپنے مریدین کو خطوط دکھائے جن پر بڑے بڑے القاب لکھے ہوئے تھے۔ فرمایا' دیکھو آپ کو اگر اس کے برے الفاظ کہنے پر غصہ آیا تو ان القاب پر بھی غصہ آنا چاہئے کیونکہ یہ بھی غلط ہیں۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے کسی عورت نے انہیں دیکھ کر کہا اوریاکار۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اری خدا کی بندی۔ عرصے بعد آپ نے مجھے صحیح پہچانا۔ حضرت علی ﷜ نے میدان جہاد میں ایک کافر کو مارنے کے لئے نیچے دبایا۔ چاہتے تھے کہ خنجر کا وار کریں مگر اس نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا مجھے چھوڑا کیوں؟ فرمایا کہ پہلے فقط اللہ کی رضا کے لئے مارنا تھا اب ڈر ہوا کہ کہیں نفس کا غصہ بھی شامل نہ ہو لہٰذا چھوڑ دیا۔

استاد میں جس قدر شفقت و درگزر کا جذبہ ہوگا شاگرد اسی قدر اساتذہ پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کو غسل کی حاجت ہوگئی۔ اس ڈر سے کہ کہیں غیر حاضری نہ ہو جائے وہ جلدی سے مدرسے پہنچ گیا اور اسے غسل کرنا یاد نہ رہا۔ جب دروازے پر پہنچا تو شاہ صاحب کی نظر پڑی۔ آپ نے سبق بند کر کے اس طالبعلم کو وہیں روک لیا اور شاگردوں سے کہا کہ آج تفریح کے لئے دل چاہتا ہے۔ چنانچہ سب کو لے کر دریا کے کنارے پہنچے۔ پھر فرمایا کیوں نہ ہم غسل کرلیں۔ چنانچہ سب نے غسل کیا اس طالبعلم نے بھی غسل کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا آؤ ابھی سبق پڑھا دیں تاکہ ناغہ

دیا ہو۔ طالبعلم اس حکمت عملی پر حیران رہ گیا۔

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے استاد شمس الملک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالبعلم ناغہ کرتا تو آپ اسے فرماتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے۔ یہ جملہ سن کر کون شاگرد ہوگا جو پانی پانی نہ ہوجائے۔

استاد کو چاہئے کہ اپنے دل کو پاک رکھے کسی طالبعلم سے ناراض ہوکر اپنے دل میں کینہ نہ رکھے۔

ے آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر است در طریقت ماہ داشتن

[میرا آئین سینے کو آئینے کی مانند بنانا ہے۔ طریقت میں کینہ رکھنا کفر کی مانند ہے]

استاد اپنے دل میں سوچے کہ شاگرد کی یہی قربانی بڑی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا ہے مجھے ان پر محنت کر کے اوران کی تربیت کر کے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا ہے۔ یادرہے کہ بعض اوقات طلباء کے اخلاص اور طلب کا پرتو استاد پر اس طرح پڑتا ہے کہ اس کے دل میں مضامین کا القاء شروع ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ محدث پانی پتی کے متعلق ان کے استاد مولانا شاہ محمد مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ تو میں ان کو پڑھاتا ہوں مگر حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے۔ طلبہ کا یہی احسان کیا کم ہے کہ استاد کو بیٹھے بٹھائے علم کے مشغلہ میں لگنے کی سعادت مل جاتی ہے۔ اگر طلباء نہ ہوں تو کیا دیواروں کو پڑھائیں گے۔ پھر تو نہ جانے کن مشاغل میں پھنسے ہوتے۔ نمازوں کی پابندی بھی مشکل ہوچکی ہوتی۔ استاد کو چاہئے کہ ہر وقت یہ بات ذہن نشین رکھے کہ طلبہ کی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود ہمیں یہی کام

کرنا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی ایسے بھی نکل آئیں جو بارگاہ الٰہی میں قبولیت پائیں اور استاد کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

6 استاد کو چاہئے کہ شاگرد سے پہلے معلوم کر لے کہ کتنا وقت ہے۔ پھر اسکے مطابق اسباق کی ترتیب بنائے۔

اگر وقت کم ہو تو اسے مروجہ نصاب کا پابند نہ بنائے بلکہ ضروریات دین کی تعلیم دے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نصاب تجویز کیا ہے جس میں یہی مصلحت پیش نظر رکھی گئی کہ جن حضرات کے پاس وقت کم ہوتا ہے اس کو پڑھ کر دین کے کام میں لگ جائیں۔

7 استاد کو چاہئے کہ جو علم اپنے طالبعلم کو پڑھا رہا ہے اسکا نفع تو بیان کر دے مگر دوسرے علوم وفنون واساتذہ کی برائی نہ کرے

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے ہمعصر کی تعریف کرے تو ہم بھی اس کی تعریف اور مدح میں موافقت کریں اور اس میں میم میخ نہ نکالیں خواہ وہ ہم پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہو۔ کیونکہ جب ہم اس کی برائی اور اعتراض کے بدلے اس کی تعریف کریں گے تو وہ جلد ہی اپنی حرکت سے باز آجائے گا۔ اور برائی کرنا چھوڑ دے گا۔ اس تدبیر سے ہم خود بھی گناہوں سے بچیں گے اور انکے بچنے کا ذریعہ بھی بنیں گے۔

8 استاد کو چاہئے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالبعلم کے علم وفہم سے بالاتر ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں۔ بعض اساتذہ محض اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے ابتدائی کتابوں میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ اس فن

کے منتہی طلبہ بھی مشکل سے سمجھ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ نہ کتاب کو سمجھ سکتے ہیں نہ یاد کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات تو سبق کے دوران خارجی باتوں پر اتنی دھواں دار تقریر کرتے ہیں کہ نہ پوچھیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَا یَنۡبَغِیۡ لِلۡعَالِمِ اَنۡ یَّتَکَلَّمَ بِالۡعِلۡمِ عِنۡدَ مَنۡ لَّا یُطِیۡقُهٗ

(عالم کیلئے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت سے بالاتر ہو)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَ مِنۡهُ اَنۡ لَّا یُبَیِّنَ لِلۡمُبۡتَدِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا هُوَ حَظُّ الۡمُنۡتَهِیۡ بَلۡ یُرَبِّیۡ بِصَغَائِرِ الۡعِلۡمِ قَبۡلَ کَبَائِرِهٖ

(وہ علوم جو منتہی کے لئے مناسب ہیں مبتدی کے سامنے نہ کہے بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کرے)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ''میری زندگی کے تجربات'' میں لکھتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہوئے کہ کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش نہ کی جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب تھا۔ مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اساتذہ کی غفلت کے چکر میں چار پانچ سال رہ کر بیٹھ گئے۔ اتنا طویل عرصہ مدرسہ میں پڑھنے کے باوجود خالی کے خالی رہے۔ اگر سوچ سمجھ کر پڑھایا جاتا تو اتنے دنوں میں ان کی آدھی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اس کو پورا کر کے ہی چھوڑتے۔

9 استاد کو چاہئے کہ اگر کوئی شاگرد حالات کی مجبوری کی بنا پر اس کے پاس سے منتقل ہو کر دوسرے استاد یا دوسرے مدرسے میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو اجازت دے دے۔

دیانت داری کا تقاضا یہی ہے کہ خوشی خوشی دعاؤں سے رخصت کرے۔ محض اپنے مدرسہ کی تعداد دکھانے یا حلقہ درس کی رونق قائم رکھنے کے لئے بجبر و کراہ کسی کو روکنا مناسب نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جہاں طالب علم کا جی ہی نہ لگتا ہو وہاں رہ کر کیا کرے گا؟ یا تو علم حاصل کرنے سے منحرف ہو جائے گا یا بددل ہو کر دوسری جگہ بھاگ جائے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے آبائی وطن کوفہ پہنچے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آ گیا ہے اس سے استفادہ کرو۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے جس نے محدث بنایا وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ریا کار عالم کی پہچان یہ ہے کہ پہلے تو وہ لوگوں کو علم کی طرف خوب رغبت دلائے گا تاکہ اس کے پاس پڑھنے آئیں۔ پھر اگر وہ کسی دوسرے عالم کے پاس پڑھنے چلے جائیں تو برا مانے۔ حالانکہ جب علم حاصل کرنا ہی مقصد ہے تو اس کے پاس حاصل کرے یا دوسرے کے پاس۔ کام تو اللہ کے لئے ہی کرنا ہے۔ ہاں اگر طالبعلم کے لئے اس کے پاس ہی رہنا فائدہ مند ہے تو اپنا مشورہ بتا دے فیصلہ اسی پر چھوڑ دے۔

10 استاد کو چاہئے کہ طلبہ سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرے۔

اگر مجبوراً کوئی خدمت لے تو اس کی مکافات کر دے۔ اس قسم کا کام نہ

لے جس سے سبق میں کوئی حرج ہو۔ امارد (بے ریش) کے ساتھ خلوت سے بہت اجتناب کرے۔ جلوت میں بھی ضرورت سے زیادہ بات نہ کرے نہ ان کی طرف قصداً دیکھے۔ اپنی پاک دامنی پر ناز نہ کرے کہ میں بھلا اس میں کہاں مبتلا ہو سکتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف: ۵۳)

(میں اپنے نفس سے بری نہیں ہوں بے شک نفس امارہ برائی کی تلقین کرتا ہے)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت تھے۔ ان کے والد چھوٹی عمر ہی میں ان کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ کر گئے۔ امام صاحب نے پہلی نظر ڈالتے ہی سمجھ لیا کہ یہ امرد ہے احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو شاگردی میں قبول تو فرمالیا مگر دو شرائط عائد کیں۔ ایک یہ کہ سبق کے دوران سامنے کی بجائے پس پشت بیٹھیں گے، دوسرے یہ کہ نئے اور اچھے کپڑوں کی بجائے پرانے کپڑے پہنیں گے۔ امام محمد ان دو شرائط کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پس پشت کھڑے کوئی مسئلہ پوچھ رہے ہیں مگر سامنے دیوار پر ان کی ریش کا سایہ نظر آرہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حیران ہو کر پیچھے دیکھا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر یہ آپ کی دوسری نظر تھی۔ سبحان اللہ پہلی نظر جب پڑی جب بے ریش تھے۔ دوسری نظر تب پڑی جب اچھی خاصی ریش سے چہرہ سج چکا تھا۔

شیطان کا مقولہ ہے کہ اگر حسن بصری پڑھانے والا ہو اور رابعہ بصریہ پڑھنے والی ہو اور قرآن پڑھ پڑھا رہے ہوں تو بھی میں دونوں کے دلوں میں برے

خیالات ڈال کر منہ کالا کر دوں۔ امرد کے ساتھ تو خلوت اس سے بھی بری ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنا کام خود کرتے تھے۔ جب انہوں نے شہر بخارا سے باہر مہمان خانہ بنوایا تو اس کی تعمیر کے وقت خود بھی مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ آپ کو محنت کی کیا ضرورت ہے ہم شاگرد جو موجود ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا هٰذَا الَّذِیْ یَنْفَعُنِیْ (یہ میرے لئے نافع ہے)۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے کپڑے خود دھولیا کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے کام خود دست مبارک سے کرتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ پھٹا ہوا کپڑا سی لیتے تھے۔ نعلین مبارک ٹوٹ جاتیں تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنے کام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا۔ اس دوران میں میں نے اس قدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت نہیں کی جتنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے کام کر دیئے۔

11 استاد کو چاہئے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ

(اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے)

دوسری حدیث مبارک میں ہے۔

اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِہٖ

(قیامت کے دن سب سے بدترین شخص مرتبہ کے اعتبار سے وہ عالم ہوگا

جس کے علم سے نفع نہ ہو)

ایک اور حدیث مبارک میں ہے۔

اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِ شَرَارِ الْعُلَمَاءِ وَ اِنَّ خَیْرُ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ

(سب سے بدتر لوگ علمائے بد ہیں اور سب سے بہتر لوگ علمائے خیر ہیں)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خوف سے لرز رہا ہوں کہ قیامت کے دن حساب دینے کے لئے کھڑا کیا جاؤں اور پوچھا جائے کہ تو نے علم حاصل کیا تھا مگر اس سے کیا کام لیا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں جو نہیں جانتا اس کے لئے ایک ہلاکت اور جو جانتا ہے عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات ہلاکتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے "باتیں بنانا سب جانتے ہیں لیکن اچھا وہی ہے جس کا قول و فعل یکساں ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"اے اہل علم! اپنے علم پر عمل کرو۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو رکھیں گے مگر علم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کا ظاہر ان کے باطن سے مختلف ہوگا۔ مجلسیں جما کر بیٹھیں گے آپس میں فخر و مباہات کریں گے اور لوگوں سے اس لئے ناراض ہو جایا کریں گے کہ ان کی مجلس چھوڑ کر دوسرے کی مجلس میں کیوں جا بیٹھے۔ ایسے لوگوں کے عمل خدا تک نہیں پہنچیں گے۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو ان کے اعمال سے پرکھو نہ کہ اقوال سے۔ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں قول پسند نہ تھا صرف عمل سے خوش ہوتے تھے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بے عمل عالم کی نصیحت کا اثر دل پر ایسے ہوتا ہے

جیسے بارش کا سنگلاخ چٹان پر۔

حضرت سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبردار چھلنی کی طرح نہ بنو کہ عمدہ آٹا نکال کر دوسروں کو دے دیتی ہے اور بھوسہ اپنے پاس رکھتی ہے۔ اسی طرح تمہارا حال یوں نہ ہونا چاہئے کہ اپنے منہ سے تم دوسروں کے لئے حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور خود تمہارے دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل گدھ کی مانند ہے جو آسمان پر اڑتا ہے مگر مردار کھاتا ہے۔ بعض لوگوں کا علم پہاڑوں کے برابر ہوتا ہے مگر عمل چیونٹیوں کے برابر۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا

اَنْتَ بِمَا تَعْلَمُ لَمْ تَعْمِلْ فَكَيْفَ تَطْلُبُ عِلْمًا مَالَمْ تَعْلَمْ

(تم نے معلوم شدہ باتوں پر عمل کیا نہیں پھر نئی معلومات حاصل کرنے کی فکر کس لئے ہے)

بعض علماء نے علم کو جال بنا رکھا ہوتا ہے جس سے دنیا کا شکار کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ فرمایا

1. تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا
2. قرآن پڑھا مگر عمل نہ کیا۔
3. محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوی کیا مگر اتباع سنت نہ کی۔
4. ابلیس پر لعنت تو کی مگر اس کی فرمانبرداری بھی کی۔
5. اپنے عیوب سے آنکھوں کو بند کر لیا مگر دوسروں کے عیوب کے لئے آنکھیں کھلی رکھیں۔

باب نمبر 8

راہ سلوک کے آداب

ہر راہ کے راہی اور ہر سفر کے مسافر کے لئے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں جنکی رعایت اور پابندی کرنے سے منزل پر پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ جو شخص ان شرائط کو ملحوظ خاطر نہ رکھے بلکہ ان اصول وضوابط سے انحراف کرے اسے منزل پر پہنچنے میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ کبھی تو راستے سے بھٹک کر در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں اور کبھی چوروں ڈاکوؤں سے لٹ پٹ کر مال ومتاع سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ وصول الی اللہ کی منزلیں طے کرنے والے سالکین طریقت کے لئے بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ جو سالک آداب کی پابندی نہ کرے بسا اوقات وہ ساری عمر اس راستے کی بھول بھلیوں میں گزار دیتا ہے اور کبھی نفس وشیطان کے ہتھے چڑھ کر اعمال وایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان تمام آداب کی پابندی کی جائے جو منزل کا نشان پانے والے واصلین اور جمال یار کا مشاہدہ کرنے والے مقربین نے متعین کر دیئے ہیں۔

نگاہ دار ادب در طریق عشق و نیاز
کہ گفتہ اند طریقت تمام آدابست

(عشق و نیاز کی راہ میں ادب کی خوب رعایت کر۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ طریقت تمام تر آداب ہی ہے)

مشائخ عظام کے آداب

آداب مشائخ کے بارے میں علامہ عبدالوہاب شعرانی ؒ کی کتاب ''الانوار القدسیہ فی معرفتہ قواعد صوفیہ'' میں سے بعض آداب کا اجمالی بیان درج ذیل ہے

ارشاد نمبر 1:

کوئی بھی سالک مشائخ کرام کی محبت' خدمت اور ادب کے بغیر اچھی حالت پر نہیں پہنچا۔

ارشاد نمبر 2 :

جو شخص بغیر شیخ و مرشد کے طریقت کا دعویٰ کرے اس کا شیخ ابلیس ہوگا۔ اگر اس کے ہاتھ سے عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوں تو وہ استدراج ہوں گے۔ کید شیطان اور فریب نفس بجز راہ دان اور راہبر کے دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ارشاد نمبر 3:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر کسی مقتدا کے اس راہ میں قدم رکھے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ جو شخص مشائخ کا ادب و احترام چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کی نظروں میں ناپسندیدہ بنا دے گا۔

ارشاد نمبر 4:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ مَنْ لَّمْ يَعْتَقِدْ فِيْ شیخِهِ الْكَمَالَ لَا يُفْلِحُ عَلٰى يَدَيْهِ اَبَدًا یعنی جو شخص اپنے شیخ کے کمال کا اعتقاد نہ رکھے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ارشاد نمبر 5:

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے شیخ کی صحبت میں آئے اور پھر اس پر اعتراض کرے بلاشبہ اس کی بیعت ٹوٹ گئی اس پر واجب ہے کہ تجدید بیعت کرے۔

ارشاد نمبر 6:

مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کو لفظ کیوں نہ کہے ورنہ طریقت میں کامیاب نہ ہوگا۔

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

ارشاد نمبر 7:

شیخ عبدالرحمٰن جیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس کو اپنے شیخ یا پیر بھائیوں کی محبت سے روگردانی کرنے والا پائے وہ سمجھ لے کہ اب اس کو اللہ تعالیٰ کے دروازے سے دھتکارا جا رہا ہے۔

ارشاد نمبر 8:

مرید اپنے شیخ کی ہزاروں برس خدمت کرے اور اس پر لاکھوں روپے خرچ کرے تو بھی دل میں یہ خیال نہ لائے کہ میں نے شیخ کا حق ادا کر دیا۔ ایسا کرے

گا تو طریقت سے خارج ہو جائے گا۔

ارشاد نمبر 9:

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ بغیر کسی ظاہری وجہ کے اپنے مرید پر سختی کرے تو بھی مرید صبر کرے اگر پختہ ارادہ اور عاجزی لے کر آئے گا تو قبولیت پائے گا۔

ارشاد نمبر 10:

حضرت سید علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے تمام وسائل اسباب اور معمولات شیخ کے قدموں پر ڈال دے۔ نہ اپنے علم پر اعتماد کرے نہ اپنے عمل پر بلکہ یقین کرے کہ تمام بھلائیاں مجھے شیخ ہی کے واسطے سے پہنچیں گی۔

ارشاد نمبر 11:

مرید کا اپنے شیخ کی صحبت کو لازم پکڑنا بعض اوقات مکہ مکرمہ کے نفلی سفر سے بھی افضل ہوتا ہے۔ شیخ مرید کو بیت اللہ کے مالک تک پہنچاتا ہے جو کہ بیت اللہ سے افضل ہے۔ گویا شیخ ذریعہ مقصود کی بجائے حقیقی مقصود تک پہنچاتا ہے۔

ارشاد نمبر 12:

مرید پر حق ہے کہ شیخ کی خدمت میں ہر وقت سچائی کے ساتھ آئے اگرچہ روزانہ ہزار بار آنا نصیب ہو۔

ارشاد نمبر 13:

جس شخص نے بغیر شیخ کے کمال حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ راستہ سے بھٹک گیا کیونکہ میوہ اپنی گٹھلی کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔

ارشاد نمبر 14:

مرید پر حق ہے کہ جب اسکا شیخ اسکے پیر بھائی کو آگے بڑھائے تو یہ اس پر حسد نہ کرے، ورنہ اسکے جمے ہوئے پاؤں پھسل جائیں گے اور وہ اپنے مقام سے نیچے گر پڑے گا۔

ارشاد نمبر 15:

جب سالک کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے جسمانی باپ کو چھوڑ کر کسی اور طرف نسبت کرے تو یہ کہاں جائز ہوگا کہ اپنے روحانی باپ (شیخ) کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے۔

ارشاد نمبر 16:

مرید پر حق ہے کہ وہ شیخ کو ہر بات میں سچا سمجھے اگر سمجھ میں نہ آئے تو اپنی سمجھ کا قصور جانے۔

ارشاد نمبر 17:

جب مرید یہ جان لے کہ اسکا شیخ کامل ہے اور اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے تو پھر اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے کرتے ہیں۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم:٦)

(اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم ہوتا ہے)

ارشاد نمبر 18:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرے ورنہ شیطان کی

طرح راندہ ءدرگاہ بنے گا۔

ارشادنمبر19:

مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے ۔یعنی شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

ارشادنمبر20:

مرید اپنے شیخ کے ظاہر پر نظر نہ کرے بلکہ اس باطنی نعمت پر نظر رکھے جو اسکے دل میں ہے۔

ارشادنمبر 21:

جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے اسی طرح شیخ کی موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔

ارشادنمبر22:

جس طرح انسان کے لئے دو مغبود نہیں۔عورت کے لئے بیک وقت دو شوہر نہیں اسی طرح مرید کے لئے دو شیخ طریقت نہیں ۔ جو سالک ایک وقت میں کئی مشائخ سے واسطہ رکھے گا کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

ارشادنمبر23:

مرید اپنی عبادات کے ظاہری احوال کو اپنے شیخ کے حال پر قیاس نہ کرے۔ بلکہ یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیخ کا ایک دن مرید کے ہزار دنوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

ارشاد نمبر 24:

حضرت علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیخ مرید کے لئے آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے عرض کیا' اے میرے سردار! آج رات میں نے آپ کے چہرے کو خنزیر کا چہرہ دیکھا۔آپ نے فرمایا' بیٹے! میں تیرا آئینہ ہوں' تو اپنے نفس کو خنزیروں کی صفت سے پاک کر لے پھر میری طرف دیکھ تجھے اپنا اصلی چہرہ نظر آئیگا۔

ارشاد نمبر 25:

جب شیخ کسی مرید کی خواہش کے مخالف کام کرے تو مرید کو صبر کرنا چاہیئے اسی میں اسکی ترقی ہے۔

ارشاد نمبر 26:

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید اپنے شیخ کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن جانے ورنہ شیطان کا لقمہ بن جائے گا۔

ارشاد نمبر 27:

حضرت سید علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید اپنے شیخ کی نرمی سے دھوکا نہ کھائے بلکہ ڈرتا رہے اور شیخ کی سختی پر رنجیدہ ہونے کی بجائے خوش ہو کہ میری اصلاح ہو رہی ہے۔

ارشاد نمبر 28:

حضرت شیخ ابو العاص مُرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے شیخ سے کبھی کرامت طلب نہ کرے۔یہ ارادت میں شک کی علامت ہے۔

ارشاد نمبر 29:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی خفگی سے دل تنگ نہ ہو۔ اگر شیخ دھتکار بھی دے تو بھی جدا نہ ہو۔ جان لے کہ بزرگان دین کسی مسلمان کو ایک سانس کے برابر لمحہ کے لئے بھی ناپسند نہیں کرتے۔ جو کچھ کرتے ہیں مریدین کی تعلیم کی غرض سے کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر 30:

مرید کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے شیخ کے مقام کو جاننے کی فکر میں لگے۔ بس اپنے کام سے کام رکھے کیونکہ مقصد پھل کھانے سے ہے درخت گننے سے نہیں۔

ارشاد نمبر 31:

مرید پر لازم ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو شیخ کی ایذا کا سبب بنے۔ اگر ایسا ہو جائے تو فوراً معافی کا خواستگار ہو۔ آئندہ کے لیے محتاط رہے۔

ارشاد نمبر 32:

مرید کو چاہئے کہ وہ شیخ کے کلام کو اپنی عقل کے ترازو میں نہ تولے۔ اگر شیخ مرید کو کسی خطیب یا عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے روکے تو مرید فوراً رک جائے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

ارشاد نمبر 33:

شیخ کو حق حاصل ہے کہ وہ مرید کو ایک وظیفے سے ہٹا کر دوسرے کو اختیار کرنے کا حکم دے۔ مرید کو چاہئے کہ فوراً تعمیل کرے اگرچہ اسے پہلے وظیفے میں فائدہ نظر آتا ہو۔

ارشاد نمبر 34:

اگر شیخ کبھی مرید کے سامنے خوش خوش متبسم نظر آئے تو بھی مرید شیخ کے ادب میں غفلت نہ کرے۔ کیونکہ شیخ کبھی بارش اور رحمت کی صورت میں تلوار اور آزمائش ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر 35:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی ہر بات کو حق جانے اگرچہ وقتی طور پر مصلحت سمجھ میں نہ آئے۔

ارشاد نمبر 36:

شیخ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنے والے مریدین اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھیں۔ کیا نہیں دیکھئے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دور سے آئے اور واصل ہوئے۔ جبکہ ابوجہل وابولہب قریب رہ کر بھی مردود ہوئے۔

ارشاد نمبر 37:

حضرت یوسف عجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو مرید بلا عذر کسی محفل ذکر سے پیچھے رہ جائے تو اسے چاہئے کہ پیر بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ملامت کرے اور اپنے نفس کو ذلیل کرے۔

ارشاد نمبر 38:

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے باپ دادا کی بزرگی پر اکتفا نہ کرے جیسا کہ اکثر مشائخ کی اولاد کا حال ہے۔ یاد رکھے کہ بزرگی ورثے میں نہیں ملتی طلب و

مجاہدے سے ملتی ہے۔

ارشاد نمبر 39:

سلف صالحین اپنے مریدین سے کہتے تھے۔ اُمحُ لَوحَکَ وَتعَالُ (تو اپنے دل کی تختی کو صاف کرلے پھر ہمارے پاس آجا)۔ جسطرح لکھی ہوئی تختی پر لکھا نہیں جاتا اسی طرح ماسوا سے بھرے ہوئے دل میں کچھ فیض نہیں آتا۔

ارشاد نمبر 40:

مرید کو چاہئے کہ اگر شیخ اس پر ناراض ہو تو فوراً اسے راضی کرنے کی کوشش کرے اگرچہ اسے اپنے گناہ کا پتہ نہ چلے۔

ارشاد نمبر 41:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل سمجھے۔

ارشاد نمبر 42:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی بیوی کو اپنی والدہ کا درجہ دے۔ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں) اسکی دلیل ہے۔

ارشاد نمبر 43:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کو اپنی طرف چل کر آنے کی تکلیف نہ دے۔ سید علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حج سے واپس آیا تو چاہا کہ شیخ میرے پاس تشریف لا کر مبارکباد دیں۔ جب ایسا نہ ہوا تو وہ شیخ سے بدظن ہوا۔ پس موت سے پہلے اسکے تمام کمالات سلب ہو گئے۔

ارشاد نمبر 44:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ سید ابو العباس سرسیؒ نے اپنے شیخ حضرت سید محمد حنفیؒ پر تیس ہزار دینار خرچ کیے۔ لوگوں نے ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ساری دنیا کے خزانے بھی اپنے شیخ پر نچھاور کر دوں تو بھی وہ اس ایک ادب کی قیمت نہیں رکھتے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا۔

ارشاد نمبر 45:

مرید کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے شیخ کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھے۔ جہاں تک ہو سکے نظریں جھکائے رکھے البتہ کبھی کبھی چہرے کو دیکھنے کی لذت لیتا رہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے شیخ کے چہرے پر ہمیشہ نظر رکھی تو اس نے اپنی گردن سے حیا کا پٹہ نکال دیا۔ شیخ علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر مرید صاحب استقامت ہو اور شیخ کے چہرے کی طرف اکثر نگاہ رکھنے میں اہانت لازم نہ آئے تو پھر کوئی نقصان نہیں۔

ارشاد نمبر 46 :

سید علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی وظیفے یا ہنر میں مشغول نہ ہو۔''

ارشاد نمبر 47:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ شیخ زندہ ہوں یا

فوت شدہ ہو۔ رات ہو یا دن ہر وقت حالت غیبت و حضور میں شیخ کے ادب کی رعایت کرے۔

سسی پیر سنگیڑ ستی متاں ہووم ہوت نوں لتاں
(محبوبہ ٹانگیں سمیٹ کر سوئی کہ محبوب کی طرف پاؤں نہ ہوں)

ارشاد نمبر 48:

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کی صریحاً یا اشارۃً اجازت کے بغیر اس زمانہ کے کسی بھی بزرگ کی زیارت نہ کرے اگرچہ وہ بزرگ اس کے شیخ کے بڑے دوستوں میں سے ہوں۔ اس سے دلجمعی میں انتشار کا اندیشہ ہے۔

ارشاد نمبر 49:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کے کپڑے اور جوتا وغیرہ نہ پہنے' ان کے بستر پر نہ بیٹھے' انکی تسبیح مصلّی استعمال نہ کرے' ان کے خاص برتنوں میں کھانا نہ کھائے' پانی نہ پیئے۔ اس طرح بے تکلفی بڑھ کر شوخی پر منتج ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر شیخ ان چیزوں کے استعمال کی خود اجازت دے دیں تو پھر ٹھیک ہے۔

ارشاد نمبر 50:

جب شیخ مرید کو اپنا جبہ' نعلین' ٹوپی یا مسواک وغیرہ عطا کرے تو مرید کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان اشیاء کو دنیوی مقصد کے لئے استعمال کرے یعنی کچ ڈالے۔ بعض اوقات ان چیزوں میں شیخ کا فیض شامل ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو چادر لپیٹ کر دی اور یہ نسیان کے مریض تھے مگر اس کے بعد جو دیکھتے یا سنتے کبھی نہ بھولتے۔

حضرت جنید بغدادی نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو مسواک عطا کی۔ لوگوں

نے ہزار درہم کے بدلے میں خریدنا چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ شیخ تقی الدین کو شیخ نے عبا عطا کی۔ لوگوں نے منہ مانگی قیمت پر خریدنا چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ ایسی کوئی چیز عطا کرے تو اس کے ادب کا خیال رکھے۔ ان کپڑوں اور نعلین وغیرہ کو پہن کر گناہ کا کام نہ کرے۔

ارشاد نمبر 51:

مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو ہر وقت شیخ کے دل کے ساتھ مضبوطی سے ملائے رکھے اور سمجھے کہ اسے جو بھی باطنی نعمت پہنچے گی وہ شیخ ہی کے واسطے سے پہنچے گی۔ اگرچہ ظاہر میں کسی اور کی طرف سے فیض آتا ہوا دیکھے۔ حضرت شیخ زین الدین الخوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کے فیضان کو نبی اکرم ﷺ کا فیضان جانے اور ان کے فیضان کو اللہ تعالیٰ کا فیضان جانے۔ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے مگر مشائخ اس کا واسطہ بن جاتے ہیں۔ سُنَّةُ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (یہ اللہ کا وہ قانون ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے)

ارشاد نمبر 52:

مرید کو چاہئے کہ جب اس کے شیخ کے شہر میں کوئی دوسرا بزرگ آئے اور اسکی طرف شیخ کے علاوہ اور بہت سے اکابر متوجہ ہوں تو وہ مرید ہرگز متوجہ نہ ہو ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

ارشاد نمبر 53:

اگر تائید الٰہی سے کوئی مرید اپنے شیخ کے برابر ہو جائے یا بڑھ جائے اور شیخ

تصدیق بھی کردے تو بھی مرید اپنے شیخ کے ادب کو لازم رکھے۔ اسے جو کچھ ملا اپنے شیخ کی برکت سے ملا۔

پیر بھائیوں کے آداب

مرید کو چاہیئے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے پیر بھائی کے لئے پسند کرے۔ تمام آداب کا خلاصہ اور نچوڑ یہی ہے۔ مزید تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ادب نمبر 1:

مرید اگر اپنے پیر بھائی کی خطا اور لغزش پر مطلع ہو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔

ادب نمبر 2:

جو شریف لوگوں کے عیوب کو دیکھے اور ان کو برے مقاصد پر محمول کرے تو اسکا باطن ویران ہو جائیگا۔ طبرانی شریف میں مرفوع روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کے عیوب تلاش کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب تلاش کرے گا۔ اور جن کے عیوب اللہ تعالیٰ تلاش کرے گا تو اس کو ذلیل و خوار کر دیگا اگر چہ وہ اپنے کجاوہ کے بیچ ہی میں ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بخدا ہم ایسی جماعت دیکھتے تھے کہ ان میں سے کوئی عیب نہ تھے۔ پھر جب وہ لوگوں کے عیب کی جاسوسی اور تلاش میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب بھی ظاہر کر دیئے۔ حضرت شیخ علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس نے پیر بھائیوں کی لغزشوں کو نہ چھپایا درحقیقت اس نے اپنی لغزشوں کے پردے کھول دیئے۔

سید احمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی کو پوشیدہ گناہ کرتے دیکھو تو اسے پوشیدہ زجر کرو اور اگر علانیہ کرتے دیکھو تو علانیہ نصیحت کرو۔

ادب نمبر 3:

مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کی دنیوی خیر خواہی بھی کرے مگر اس سے بڑھ کر ان کی دینی خیر خواہی کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا الدین النصیحة (دین خیر خواہی کا نام ہے)

ادب نمبر 4:

اگر کوئی مرید ساری رات جاگ کر عبادت کرے تو بھی اپنے آپ کو اس بھائی سے افضل نہ سمجھے جو فقط سحری کے وقت جاگے۔ بلکہ اس کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل جانے۔

ادب نمبر 5:

سالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کم تر سمجھے۔ ایسا نہیں کرے گا تو متکبرین میں شمار ہوگا۔ سید عبدالعزیز دیرینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سالک اپنے آپ کو تمام مخلوق سے کم تر سمجھے۔

ادب نمبر 6:

سالک کو چاہئے کہ اپنے بھائیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دے اور انکی ایذاؤں کو برداشت کرے۔

ادب نمبر 7:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بھائی کے آداب میں سے ہے کہ اپنے

بھائیوں کی خدمت کرے پھران کے پاس معذرت کرے کہ ان کا جو حق تھا وہ ادا نہیں ہوسکا۔

ادب نمبر 8:

اگر سالک کسی مجلس ذکر سے پیچھے رہ جائے تو وہ اپنے آپ کو سب بھائیوں کے سامنے ملامت کرے۔ اس ادب میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے تھے۔

ادب نمبر 9:

اگر کوئی سالک نیکی میں پیچھے رہ جائے اور اسکے بھائی اسکو ملامت کریں تو اسے چاہئے کہ حجت بازی نہ کرے بلکہ کثرت کے ساتھ استغفار شروع کردے۔

ادب نمبر 10:

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی طرفداری کر کے بحث کی وہ ہلاک ہوا۔

ادب نمبر 11:

سالک پر حق ہے کہ وہ تہمت والی جگہوں سے اور ناشائستہ کاموں کے ارتکاب سے دور رہے۔

ادب نمبر 12:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کو محبت والفت سے آداب سکھائے مگر اپنے آپ کو ان سے افضل نہ سمجھے۔

ادب نمبر 13:

سالک کو چاہئے کہ اپنے جان و مال سے اپنے پیر بھائیوں کی خدمت کرے۔حدیث پاک میں ہے۔

وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ

(جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد میں ہے)

ادب نمبر 14:

اگر شیخ کسی مرید کو مجلس سے نکال دے یا اس پر عتاب کرے تو اس کے دوسرے پیر بھائی اس کی غیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ غیبت کرنے والے اس نکالے ہوئے شخص سے زیادہ بدحال اور گنہگار ہوں۔

ادب نمبر 15:

سالک کو چاہئے کہ وہ جماعت کے کمزوروں۔ضعیفوں۔معذوروں اور بوڑھوں کی خدمت کرے۔حضرت سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے اوپر رحمت کا نزول چاہے وہ کمزوروں کی مدد کرے اور سمجھے۔هٰذَا شَرَفِيْ (یہ میری عزت ہے)

ادب نمبر 16:

سید علی خواصؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو تم اسے معاف کردو۔یوں مت کہو کہ شریعت نے مجھے ظلم کے برابر بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔بہت سی چیزیں شریعت میں جائز ہیں مگر انکا ترک کرنا افضل ہوتا ہے۔

ادب نمبر 17:

سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تیرا پیر بھائی تجھے ملنے آئے تو اسے کھڑا ہوکر نہایت اکرام سے ملا کر۔

ادب نمبر 18:

اگر سالک اپنے کسی پیر بھائی سے ناراض ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے۔ پھر اگر سالک نے گفتگو کرنے کی غرض سے سلام میں پہل کر لی تو بہت اچھا۔ اب اگر وہ جواب دے تو ٹھیک ورنہ سالک پر الزام نہیں۔ ناراضگی اور نہ بولنے کا گناہ دوسرے پر ہوگا۔

ادب نمبر 19:

سالک کو چاہئے کہ اس کے پیر بھائیوں میں سے جو بھی اس پر احسان کرے تو یہ اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کرے۔

ادب نمبر 20:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولے۔ حدیث پاک کے مطابق ایک فرشتہ اسکو کہے گا کہ ولک بمثل (تیرے لئے بھی اس جیسا ہو) یاد رکھیں فرشتے کی دعا رد نہیں ہوتی۔

ادب نمبر 21:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تو اپنے بھائی کی مروت پر اعتماد کر کے اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کر۔

ادب نمبر 22:

سالک کو چاہئے کہ جب اسکا بھائی اپنی مصیبت کی حالت میں اس سے مدد چاہے تو وہ اس پر بخیلی نہ کرے۔ اگر چہ اپنے جبہ' زائد جوتوں اور گیہوں وغیرہ سے ہو۔

ادب نمبر 23:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں سے گفتگو کرتے ہوئے شیریں زبانی سے کلام کرے۔ اگر بدزبانی سے معاملہ کریگا تو محروم ہو جائیگا۔ حدیث پاک میں ہے

"شَرُّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ"

(برا آدمی وہ ہے جس کی بدمزاجی کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں)۔
سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بولنے میں احتیاط' لقمہ اور کپڑوں کی احتیاط سے زیادہ ضروری ہے۔

ادب نمبر 24:

سالک کو چاہئے کہ گناہ سے نفرت کرے گنہگار سے نفرت نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے پیاز کے متعلق فرمایا۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ اَکْرَهُ رِیْحَهَا (یہ ایسا پودا ہے کہ میں اسکی بو کو ناپسند کرتا ہوں)۔ پس آپ ﷺ نے پیاز کے بارے میں نہیں اسکی بو کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا۔

ادب نمبر 25:

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی حاجات کو نفلی عبادات پر مقدم رکھے۔

ادب نمبر 26:

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طریقت میں ترقی پانے والے لوگ وہ ہیں جن کو پیر بھائیوں کے بیت الخلاء بھی صاف کرنے پڑیں تو اسے اعزاز سمجھیں۔ امام غزالیؒ سید علی خواصؒ اور شیخ امین الدین رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات نے اپنے وقت میں یہ خدمت کی۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے افراد کے لئے استنجا گاہیں صاف کرتے تھے اور بارگاہ ایزدی میں اس سعادت کے حصول پر شکر ادا کرتے تھے۔

ادب نمبر 27:

سالک کو چاہیے کہ دوران سفر ضرورت کی اشیاء چاقو، قینچی اور مصلّٰے وغیرہ پاس رکھے تاکہ بوقت ضرورت دوسروں کی خدمت کر سکے۔

ادب نمبر 28:

سالک سے اگر کسی پیر بھائی کی بے ادبی ہو جائے تو اس پر حق ہے کہ وہ عاجزوں اور ذلیلوں کی شکل بنا کر معافی مانگے۔ مثلاً اپنا سر ننگا کرے یا جوتوں کے پاس کھڑا رہے۔ ہر پیر بھائی مرشد کی نشانی ہوتا ہے اسکی بے ادبی کسی طرح درست نہیں۔

ادب نمبر 29:

اگر سالک سے اسکا کوئی پیر بھائی معافی مانگے تو اسے چاہیے کہ معاف کر دے۔ مستدرک حاکم کی روایت ہے:

من اتاه اخوه متنصلا فليقبل ذلک محقا کان او مبطلا فان لم

یفعل لم یرد علی الحوض
(جس شخص کے پاس اسکا بھائی کسی گناہ کی معافی مانگنے کے لئے آئے تو چاہئے کہ بھائی کا عذر قبول کرے وہ بھائی سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر عذر قبول نہ کیا تو پھر میرے حوض پر نہ آئے)

ادب نمبر 30:

سالک کو چاہئے کہ اگر کوئی پیر بھائی اس سے طاعات و منصب میں آگے بڑھ جائے تو اس سے حسد نہ کرے۔

ادب نمبر 31:

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسرے شیخ کی جماعت سے افضل نہ سمجھے کیونکہ وہ بھی طریقت میں اسکے بھائی ہیں۔

طریقت کے آداب

طالب صادق کو چاہئے کہ وہ طریقت کے آداب کو ہر وقت ملحوظ رکھے۔

ادب نمبر 1.

سالک کو چاہئے کہ لوگوں کی صحبت اور دنیوی تعلقات سے علیحدہ ہو جائے اور اخلاص کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ اسکا مطلب رہبانیت نہیں بلکہ دست بکار و دل بیار رہے۔

ادب نمبر 2.

سالک اپنے آپ کو عام لوگوں کی محفلوں سے دور رکھے تو یہ نیت کرے کہ میں لوگوں کو اپنی برائی اور ایذا رسانی سے بچاتا ہوں۔ یہ ہرگز نہ سوچے کہ میں اچھا ہوں اور لوگ برے ہیں۔ اگر ایسا سوچے گا تو مردود ہو جائے گا۔

ادب نمبر 3.

سالک کو چاہئے کہ سلوک سے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی نیت ہو۔ اگر شیخ مقتدا بننے کی نیت کرے گا تو شرک کا مرتکب ہوگا اور تباہ و برباد ہو جائے گا۔

ادب نمبر 4.

سالک کو اگر کسی منزل میں جلدی کامیابی نہ ہو تو دل تنگ نہ ہو۔ صبر اور مسکینی کو اپنائے رکھے۔

ادب نمبر 5.

سالک کے پاس اپنی حاجات سے زیادہ مال ہو تو اسے فقراء میں تقسیم کر کے آخرت کا ذریعہ بنائے۔

ادب نمبر 6.

سالک کو چاہئے کہ لذیذ طعام، لذیذ مشروبات اور لہو و لعب کو ترک کرے اور ذکر کی لذت حاصل کرنے کا طالب بنے۔

ادب نمبر 7.

سالک اپنی خوشحالی پر خوش ہو کر اترائے نہیں۔ تنگ حالی سے تنگ ہو کر گھبرائے نہیں بلکہ تقسیم الٰہی پر راضی رہے۔

ادب نمبر 8.

سالک اپنے اسلاف کو کبھی کم نظری اور حقارت سے نہ دیکھے۔

ادب نمبر 9.

سالک اپنے آپ کو مزامیر اور گانا بجانا وغیرہ سے بچائے اور قرآن مجید کی لذت پانے کا متمنی رہے۔

ادب نمبر 10.

سالک کو چاہئے کہ لوگوں کی تعریف کرنے اور نیک کہنے سے مغرور نہ ہو بلکہ اسے آزمائش سمجھے۔

ادب نمبر 11.

سالک اپنے آپ کو تمام مخلوق سے کم تر اور حقیر سمجھے کیونکہ مخلوق کی باطنی خوبیوں سے یہ آگاہ نہیں ہے۔

ادب نمبر 12.

سالک اگر کوئی ناشائستہ کام کر بیٹھے تو اپنے نفس کو سزا دے مثلاً اسکی مرغوبات روک لے اور اسے مجاہدہ و مشقت میں ڈالے۔

ادب نمبر 13.

سالک کو چاہئے کہ زمانے کے احوال اور دنیا کی باتوں کو جاننے کے لئے اخبار بینی وغیرہ سے پرہیز کرے۔ اس سے دل میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور قلب کی توجہ مقصود اصلی سے ہٹ جاتی ہے۔

ادب نمبر 14.

سالک کو چاہئے کہ عاجزی اور خواری میں اپنی عزت جانے اور ظاہر کی بربادی میں اپنے باطن کی آبادی سمجھے۔

پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس نزنداں درزی علامہ را

(درزی کپڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر انکو حسین لباس بناتا کوئی اس پر طعن نہیں کرتا بلکہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔)

ادب نمبر 15.

اگر سالک پر کوئی ظلم کرے تو یہ بدلہ لینے کا خواہاں نہ ہو بلکہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے صبر کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے کفار سے پتھر کھا کر بھی ان کے لئے دعائیں کی ہیں۔

ادب نمبر 16.

سالک کو چاہئے کہ جب بھوک لگے تب کھائے' جب نیند آئے تب سوئے۔ عادتاً کھانے اور سونے سے پرہیز کرے۔

ادب نمبر 17.

سالک کو چاہئے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے اور نفس کے حیلوں میں نہ آئے۔

ادب نمبر 18.

سالک کو چاہئے کہ اپنی عبادت اور نیکی کی تعریف نہ کرے بلکہ دل میں پسندیدگی کا خیال بھی نہ لائے۔

ادب نمبر 19.

سالک کو چاہئے کہ کرامات کا طالب نہ ہو اگر کرامت سرزد بھی ہو جائے تو اسے اپنے عیوب کی مانند چھپائے اور اپنا امتحان سمجھے۔

ادب نمبر 20.

سالک کو چاہئے کہ اہل دنیا سے ہرگز میل جول نہ رکھے فقراء کی صحبت اختیار کرے۔

ادب نمبر 21.

سالک کو چاہئے کہ موت کو کثرت سے یاد کرے، اس سے دنیا سے بے تعلقی پیدا ہوتی ہے۔

ادب نمبر 22.

سالک کو چاہئے کہ ضروریات دین کا علم لازماً حاصل کرے اور بے علم اور جاہلوں سے دور رہے۔

ادب نمبر 23.

سالک کو چاہئے کہ سوائے اپنی زوجہ کے کسی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے۔

ادب نمبر 24.

سالک کو چاہئے کہ اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

ادب نمبر 25.

سالک کو چاہئے کہ رزق حلال اور صدق مقال کو اپنے فرائض میں سے

جانے۔

؎ علم و حکمت زاید ازنان حلال
عشق و رقت آید ازنان حلال

(رزق حلال سے علم وحکمت میں اضافہ ہوتا ہے۔رزق حلال سے عشق و رقت حاصل ہوتی ہے)

ادب نمبر 26.

سالک کو چاہئے کہ اپنی تنگدستی اور تکلیف کو حتی الوسع کسی پر ظاہر نہ کرے اگرچہ مخلص دوست ہی کیوں نہ ہو۔

ادب نمبر 27.

سالک کو چاہئے کہ امانت میں خیانت نہ کرے۔منافقت سے دور رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

ادب نمبر 28.

سالک کو چاہئے کہ اپنی خوبیوں اور دوسروں کی خامیوں پر نظر نہ کرے۔

باب نمبر 9

آداب السادات

انسان کا شرف وکمال دو طرح سے ہوتا ہے ایک حسب یعنی ذاتی کمالات کی وجہ سے اور دوسرا نسب یعنی خاندانی شرافت کی وجہ سے۔ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابل احترام ہے۔ نسب سے ہی نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ خلافت وامارت کے لئے قریش ہونے کی تخصیص بھی شرف نسب کے باعث ہے۔ اسلاف و آباء کی شرافت اولاد کے لئے دنیا و آخرت میں عزت کا باعث ہے اور قرآن مجید واحادیث مبارکہ سے اسکی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

کتاب وسنت سے دلائل:

1 سورہ کہف میں دو یتیموں کی دیوار بنانے کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے ذریعے اسے بلا اجرت تعمیر کرادیا۔ اللہ تعالیٰ کی جو عنایت ورحمت اس کار خیر میں کار فرما تھی اس کی وجہ قرآن مجید نے وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (ان کا باپ نیک آدمی تھا) بیان فرمائی ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

نے تفسیر روح المعانی میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ صالح شخص ان بچوں کی ساتویں یا دسویں پشت کا ایک بزرگ تھا۔ گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اسی نسبی شرافت کے سبب اللہ تعالیٰ نے بچوں کا لحاظ واحترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اولاد کے لئے وہ اس کی برکت سے اس کے بعد بھی محفوظ و مامون رہیں گے۔ پھر اسکی تائید میں حضرت خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ کہف کی مندرجہ بالا آیات پڑھیں۔

روح المعانی میں امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے حضرت وہب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی سے دریافت کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ سورہ کہف کے یتیموں کا مال اللہ تعالیٰ نے کیوں محفوظ رکھا؟ اس نے جواب دیا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میرے باپ اور جد اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صالحیت ان کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی۔

2 سورۃ طور میں آیت ۲۱ میں تحریر ہے

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ

[اور جولوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں انکی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ہی ملا دیں گے اور ان کے اپنے اعمال صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ

کریں گے]

اس آیت کی تفسیر کے تحت روح المعانی میں کئی محدثین اور مفسرین کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں ان کے ہمراہ اسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تا کہ اس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

3 نسب شرف قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ (الزخرف:۸۱)

(آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسکی عبادت کرتا)

صحابہ کرامؓ اور سادات کا ادب:

1 حضرت یزید بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن مسلم رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے زیدؓ آپ نے بہت کچھ بھلائیاں دیکھی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں آپ نے سنیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ بے شک اے زید آپ نے خیر کثیر جمع کر لی ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے برادر زادہ! میری عمر زیادہ ہوگئی۔ عرصہ دراز گزر گیا میں بعض وہ باتیں بھول گیا ہوں جن کو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کیا تھا۔ پس جو کچھ

میں تم سے بیان کروں اسکو مان لو اور جو کچھ بیان نہ کروں تو اسکی مجھے تکلیف نہ دینا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے اس پانی کے کنارے کھڑے ہوئے جس کو خم کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و نصیحت فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

اما بعد! اے لوگو! میں بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد بلانے کے لئے آئے اور اسکا کہا مان لوں۔ میں تم لوگوں میں دو بھاری بھرکم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت ہے نور ہے۔ تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑلو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کے عمل) پر آمادہ کیا اور اسکے بارے میں رغبت دلائی۔ اس کے بعد فرمایا (دوسری چیز) میرا گھرانہ ہے میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں۔

یہ سن کر حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے زید رضی اللہ عنہ! آپ ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت نہیں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ کی ازواج تو اہل بیت ہی میں سے ہیں تاہم آپ ﷺ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد جن پر صدقہ کا مال حرام کر دیا گیا۔ حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولادیں ہیں۔ حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان سب پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ (مسلم شریف: ج ۲، ص ۲۷۹)

2 حضرت ام المومنین عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب میں تشریف فرماتے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ تھے۔ سامنے سے حضرت عباس ؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے لئے حضرت ابو بکر ؓ نے جگہ دی۔ وہ حضرت ابو بکر ؓ اور آپ ﷺ کے درمیان سامنے ہی بیٹھ گئے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "اہل فضل کی فضیلت اہل فضل ہی جانتا ہے" پھر آپ ﷺ حضرت عباس ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے باتیں کرنے لگے اس دوران میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی آواز انتہائی پست کی۔ تو حضرت ابو بکر ؓ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو کوئی تکلیف ہوگئی ہے جسکی میرے دل میں بڑی کھٹک ہے۔ حضرت عباس ؓ آپ ﷺ کے پاس برابر بیٹھے رہے۔ جب آپ ﷺ نے ان کی ضرورت رفع کردی۔ وہ چلے گئے۔ تب حضرت ابو بکر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ کو ابھی کوئی تکلیف ہوگئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ حضرت ابو بکر ؓ نے عرض کیا میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کی آواز انتہائی پست ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ جب حضرت عباس ؓ آئیں تو میں اپنی آواز کو انتہائی پست کرلوں جیسا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی آوازوں کو میرے پاس پست کرلو۔ (ابن عساکر: کذافی الکنز ج ۷، ص ٦٨)

3 ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ اپنے اپنے دور خلافت میں جب کبھی حضرت عباس ؓ سے ملتے اور یہ سوار ہوتے تو اپنی سواری سے حضرت عباس ؓ کے لئے اتر جاتے اور اس سواری کی لگام پکڑ کر حضرت عباس ؓ کے ساتھ پیدل چلتے۔ یہاں تک کہ حضرت عباس ؓ

اپنے مکان یا اپنی مجلس پر پہنچ جاتے تو یہ جدا ہوتے تھے۔

(ابن عساکر: کذانی الکنز ج ۷، ص ۴۹)

4 حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان واقعات میں سے جن پر لوگ راضی ہو گئے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کسی جھگڑے میں سزا دلوائی۔ جس نے اس قضیہ میں حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کی توہین کی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس سزا کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم کریں اور میں ان کے چچا کی توہین کئے جانے پر رخصت دے دوں۔ جو آدمی اس کام پر راضی ہو بے شک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی۔ چنانچہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات سے راضی ہو گئے۔ (خرج سیف وابن عساکر: کذانی الکنز ج ۵، ص ۲۱۳)

5 حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصحاب چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ اتنے میں سامنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور کھڑے ہو کر مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا کہ ان میں سے کون ان کیلئے جگہ میں گنجائش دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنی جگہ سے کھسکے اور فرمایا اے ابوالحسن! یہاں آجائیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ تو ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک انتہائی خوش ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابوبکر۔ "اہل فضل ہی سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے"۔ (کذانی البدایہ ج ۷، ص ۳۵۸)

6 حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ

نماز عصر پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی وفات کے چند راتوں بعد نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پہلو کے برابر چل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ پر ہوا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ازراہ محبت وشفقت ان کو اپنی ران پر بٹھالیا اور فرمانے لگے۔

بِاَبِیْ شَبِیْهٌ بِالنَّبِیِّ ﷺ۔ لَیْسَ شَبِیْهٌ بِعَلِیٍّ

(میرے باپ کی قسم۔تو نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے)

وَ عَلِیٌّ یَضْحَکُ (حضرت علی ص یہ سن کر ہنس پڑے)

(بخاری: ج ۱، ص ۵۳۰)

7 حضرت عمیر بن اسحاق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ اپنے پیٹ سے کرتا ہٹاؤ۔ جس جگہ کا میں نے رسول اکرم ﷺ کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کا بوسہ لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انکی ناف کا بوسہ لیا۔ (قال الہیثمی جلد ۹ ص ۱۷۷۔ اخرجہ احمد)

8 شفاء مصنفہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو محبت واحترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

9 ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ مجھے اپنے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا کہ ابوقحافہ کے ایمان لانے سے مجھے خوشی ہوئی اور

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی ہوئی اور مجھے اپنی خوشی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی مقدم ہے۔

10 بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَهلِ بَیْتِهٖ (اے مسلمانو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ واحترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا "مجھے اپنی قرابت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت زیادہ عزیز ہے" (بخاری: ج۱،ص ۵۳۰)

11 ابن عساکر میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے بھی زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرب وبعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم اور اس میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھیں۔ اگرچہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان میں سے نہ تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بھی بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر مقرر کیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر کی حالانکہ لوگوں کی نظر میں وہ زیادہ ذی قدر تھے۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ جیسی والدہ، انکے باپ جیسا باپ اور ان کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہمسری کا دعوی کرو۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے

اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

سلف صالحین اور سادات کا ادب:

1 نور الابصار میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ بھیجا کریں۔ مجھے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

2 مدارج میں تحریر ہے کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم پر کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا "لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روز محشر میری وجہ سے نبی علیہ السلام کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد باز پرس کے لئے روکا جائے "

3 ''تاریخ الخلفاء'' اور ''سیرۃ النعمان'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ منصور عباسی نے صرف اس وجہ سے قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے سید محمد نفس زکیہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ پھر چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کر تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود شہادت کی امید لے کر خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریبا اسی سال کی تھی۔ سید سلیمان ندوی نے ''حیات مالک'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قسم کا فتوی دیا تھا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حب اہل بیت کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

4 حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ''المناقب'' میں اہل بیت کی

فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ ''صواعق محرقہ'' میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی سید زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

5 حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ''فتوحات مکیہ'' میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؓ ازواج مطہرات اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیت میں شمار کئے جاتے ہیں سب آیت تطہیر کے بموجب حکم مغفرت میں داخل ہیں۔ وہ طاہر و مطہر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عنایت کا نتیجہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل پر ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ ان حضرات کی مذمت کرے جس کی پاکیزگی اور برائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے نسب کی وجہ سے محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

6 امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ''لطائف المنن'' میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اہل بیت سے متعلق دو اشعار نقل کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْدِلْ بِاَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقًا
فَاَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ اَهْلُ السِّيَادَةِ
فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْاِنْسَانِ خُسْرٌ
حَقِيْقِیٌّ وَ حُبُّهُمْ عِبَادَةٌ

(اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کسی کو مت سمجھو۔ اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں۔ ان کا بغض انسان کیلئے حقیقی خسارہ ہے اور انکی محبت بڑی عبادت ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولاد رسول ﷺ کے ادب اور تعظیم وتکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ برے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں آتی۔

7 حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیدہ کی شکایت پر انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاو الدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی۔

سادات افضل اندو بود وصف شاں جلی
اولاد مرتضیٰ و جگر گوشہ نبی
بر فعل شاں نظر مکن اے خرز جاہلی
الصالحون للہ و الطالحون لی

[سادات افضل ہیں اور افضل تھے ان کی شان بہت واضح ہے یہ حضرت علی ؓ اور جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ (فاطمہؓ) کی اولاد ہیں۔ اے بے خبر ان کے کاموں پر نظر (تنقید) نہ کر نیک اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے ہیں۔]

8 ایک اہم بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ عوام الناس کو سادات کے ادب کا خوب خیال رکھنا چاہئے۔ ان سے محبت کو محبت رسول اللہ ﷺ کی ہی ایک شاخ سمجھنا چاہئے۔ ان کو ہدایا اور تحائف دینا اور انکی دیگر ضروریات کا ازخود خیال رکھنا چاہئے۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ سادات کی نسبت رکھنے والے حضرات کو فسق وفجور سے دور رہنا چاہئے۔ ان کی نسبت نبی اکرم ﷺ سے قرابت داری کی ہوتی ہے۔ پس ان کا احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنا نبی اکرم ﷺ کیلئے ایذا کا سبب ہوگا۔ روز محشر اپنے جدامجد کو کیا منہ دکھائیں گے۔

اگر نبی اکرم ﷺ نے روز محشر یہ فرما دیا کہ عوام الناس نے تو میری سنتوں کو چھوڑا تھا میرے طریقوں سے منہ موڑا ہی تھا۔ تم تو میرے اپنے تھے تم نے میری باتوں کو کیوں ٹھکرا دیا۔ تو سوچئے کتنی ندامت و شرمندگی ہوگی۔ دنیا میں چار آدمیوں نے تعظیم و ادب کا مظاہرہ کر بھی دیا تو کیا فائدہ اگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے سامنے عزت نہ ملی۔ آخرت کی ذلت و رسوائی سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

باب نمبر 10

آداب معاشرت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں آداب کی خصوصیات پر نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ جسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تمام متمدن ملکوں کے باشندوں نے خورد ونوش، نشست و برخاست اور وضع ولباس وغیرہ کے متعلق اجتماعی معاشرتی حالات میں چند آداب کی پابندی کا لحاظ ضروری رکھا ہے۔

- بعض لوگوں نے انکی بنیاد حکمت طبعی کے قواعد پر رکھی ہے اور ان آداب کو اختیار کیا ہے جو طب اور تجربہ کی رو سے مفید ہیں۔
- بعض لوگوں نے ان کو مذہبی اصول پر قائم کیا ہے اور اسمیں اپنے مذہب کی پابندی کی ہے۔
- بعض لوگوں نے اس معاملہ میں اپنے بادشاہوں، حکیموں اور راہبوں کی تقلید کی ہے۔
- ان کے علاوہ اور بھی اصول وقواعد ہیں جن میں بعض مفید اور بعض مضر ہیں اور بعض میں نفع نقصان کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے جو مفید تھے وہ اس

قابل تھے کہ انکی پابندی کا حکم دیا جائے' جو مضر تھے انکی ممانعت کی جائے اور جن میں نفع نقصان کچھ نہ تھا وہ اپنی اباحت کی حالت میں قائم رکھے جائیں۔

شریعت نے ان آداب میں امور ذیل کا خیال رکھا۔

1. بعض اوقات انسان ان آداب کی پابندی کے وقت اللہ سے غافل ہو جاتا ہے شریعت نے ان آداب سے پہلے اور ان کے ساتھ اور ان کے بعد چند دعائیں مسنون کر دیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہیں۔
2. بعض افعال اور اشکال شیطانوں کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہیں مثلاً ایک جوتا پہن کر چلنا، بائیں ہاتھ سے کھانا وغیرہ اس لئے شریعت نے انکی ممانعت کر دی۔ بعض ایسی باتیں ہیں جو فرشتوں سے مناسبت رکھتی ہیں مثلاً گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت دعا پڑھنا۔ اسی لئے شریعت نے انکی ترغیب دی ہے۔
3. بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے بعض اوقات تکلیف پہنچتی ہے مثلاً ایسی چھت پر سونا جس پر کوئی آڑ نہ ہو یا سوتے وقت چراغ جلتے رکھنا۔ ان سے بھی شریعت نے منع کر دیا۔
4. بعض آداب ایسے ہیں کہ جن سے عجمیوں کے عیاشانہ تمدن کی مخالفت مقصود ہے مثلاً ریشم پہننا مردوں کے لئے۔ تصویر دار کپڑے لٹکانا یا چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا۔ پس اسکی بھی ممانعت کر دی۔
5. بعض چیزیں وقار اور تمدن کے منافی ہوتی ہیں اور انسان کو وحشیوں اور جنگلیوں میں شامل کر دیتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے بھی ممانعت فرما دی تا کہ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ نکل آئے۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا کی تمام مہذب

قوموں کے اجتماعی اور معاشرتی آداب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم تھی، اسلام کے احکام میں اور نبی اکرم ، کے فرمان میں وہ سب آداب ملحوظ ہیں۔ مذہبی، اخلاقی، طبی غرض ہر قسم کے فوائد و منافع ان آداب میں موجود ہیں۔ گویا ان آداب کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا، نبی اکرم ﷺ کی اتباع، روح و جسم کی پاکیزگی، گھر کی صفائی، اخلاق کی بلندی معاشرت کی اچھائی، صحت کی حفاظت و ترقی، بزرگوں کے آزمودہ اصول کار اور طریق زندگی کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ان سب کے مجموعے کا نام ''اسلامی آداب معاشرت'' ہے۔ اسلام نے ان آداب میں بڑی لچک رکھی ہے۔ ان میں جو اصلی اور بنیادی باتیں ہیں انکی تو قرآن مجید اور حدیث نبویہ میں پوری تاکید کر دی ہے۔ اس تاکید سے انکی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ جو وقتی مصلحت اور ملکی معاشرت اور زمانہ کے حالات بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔ ایسے آداب کے لئے اسلام میں نہ زیادہ تاکید کی گئی ہے اور نہ ہی ان کو چھوڑنے پر وعید فرمائی گئی ہے۔ فقط انکی دنیوی مصالح اور فائدے بتا دیئے گئے ہیں۔ پس ان میں اگر ایسا تغیر کیا جائے جس سے اصل مقصد فوت نہ ہو بلکہ اسکی خوبیاں اور زیادہ بڑھ جائیں تو برا نہیں۔ مثلاً ہاتھ دھونے کے لئے مٹی کی جگہ صابن استعمال کرنا، تولیہ کام میں لانا، چھری سے گوشت کاٹنا، پلیٹیں گلاس وغیرہ الگ الگ ہونا وغیرہ۔ اس کی پوری اجازت ہے۔ لیکن اس اجازت کے باوجود ایک مرتبہ عشق اور محبت کا ہے۔ جو لوگ اس راہ سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا عزم رکھتے ہوں ان کے لئے زمانہ کیسا ہی بدل جائے انکی نظر میں وہی ادائیں محبوب ہیں جو محبوب ﷺ سے نسبت رکھتی ہیں۔ یہی کمال ایمان کی نشانی ہے اور اسی جذبے سے آداب معاشرت کی پابندی کرنے میں مزا ہے۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

آداب طعام

مومن اگر اس نیت سے کھانا کھائے کہ مجھے اس سے جو قوت حاصل ہوگی میں اس سے اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کروں گا تو کھانا پینا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

وَمَا أُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینة: ۵)

(اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں خاص کر کے)

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی طرف لکھا، "اے عمر! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے بقدر اس کا مددگار ہے۔ جس کی نیت کامل ہے اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہے اور جس کی نیت ناقص ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ناقص ہوگی"

حسن نیت بھلائی کا مقدمہ ہے کئی چھوٹے عمل ایسے ہیں جن کو نیت بڑا بنا دیتی ہے اور کئی بڑے عمل ایسے ہیں جن کو نیت چھوٹا بنا دیتی ہے۔ بعض علماء کا فرمان ہے "عمل سے پہلے عمل کی نیت چاہو" جب تک تو بھلائی کی نیت رکھے تو بھلائی پر ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک آدمی قحط کے زمانے میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا تو اس نے دل میں کہا، کاش! میرے پاس اس ریت کے برابر آٹا ہوتا تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے تیرا صدقہ قبول کر لیا اور تیری نیک نیتی کی قدر کی اور تجھے اس قدر ثواب عطا کر دیا کہ جیسے تو نے ریت کے برابر کھانا

صدقہ کیا۔

سلف صالحین ہر عمل سے پہلے نیت کو درست کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک آدمی گھر کی چھت پر بیٹھا بال بنارہا تھا کہ اس نے بیوی کو آواز دی کہ میری کنگھی لانا۔ بیوی نے پوچھا کہ آئینہ بھی لے آؤں۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا ہاں۔ بیوی نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہے اور آئینے کے بارے میں توقف کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک نیت کے ساتھ آپ کو کنگھی لانے کے لئے کہا تھا۔ جب آپ نے آئینے کے متعلق پوچھا تو میری کوئی نیت نہ تھی میں نے توقف کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیت عطا فرمائی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ''قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب وہ ہوگا جس کا فاقہ، پیاس اور غم دنیا میں طویل مدت تک رہا، اگر وہ غائب ہو جائیں تو لوگ تلاش نہ کریں، جب رات کو لوگ بستر بچھا لیتے ہیں تو وہ رب کے حضور پیشانیاں اور گھٹنے بچھا لیتے ہیں اور جب زمین انہیں کھوتی ہے تو روتی ہے۔ جب تو ان کو کسی شہر میں دیکھے تو جان لے کہ یہ اس شہر میں ایمان کی علامت ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صوف پہنو، پائنچے اوپر رکھو، نصف پیٹ کی حد تک کھاؤ، تم ملکوت سماوی میں داخل ہو جاؤ گے''۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ثرید اور گوشت کھا کر ڈکار لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنا ڈکار ہم سے روک رکھو۔ تم میں دنیا سے زیادہ سیر ہونے والا قیامت کے دن زیادہ بھوکا ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مومن اس ننھی بکری کی طرح ہے جس کو ایک ہتھیلی گھاس، ایک مٹھی بھر جو اور

ایک گھونٹ پانی کافی ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا' نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے پہلی بدعت سیر ہو کر کھانے کی ظاہر ہوئی۔ جب لوگوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو وہ دنیا کی جانب بھرپور میلان کرنے لگتے ہیں۔ بعض علماء کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرا ہوا پیٹ سب سے مبغوض چیز ہے چاہے وہ حلال سے بھرا ہوا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا۔ ایک روایت میں ہے بنی آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کرلے۔ حضرت عمرؓ کے بارے مشہور ہے کہ وہ سات لقمے کھایا کرتے تھے۔ بعض مشائخ سے مروی ہے کہ جو آدمی صرف گندم کی روٹی کھائے اور ادب کے ساتھ کھائے وہ مرض موت کے سوا کسی مرض میں مبتلا نہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ ادب کیا ہے؟ فرمایا کہ بھوک کے بعد کھائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے، ''فاقہ کے سوا کوئی صاف نہ ہوا۔ فاقہ کے بغیر کوئی پانی پر نہ چلا۔ فاقہ کے بغیر کسی کو طے الارض نصیب نہ ہوا۔

خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب:

ایک مرتبہ شاہ ہند نے خلیفہ منصور کی طرف کچھ تحائف بھیجے۔ ان کے ہمراہ ایک فلسفی طبیب کو بھی بھیجا۔ طبیب نے خلیفہ منصور سے کہا' اے امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں تین دوائیں پیش کرتا ہوں' یہ دوائیں صرف بادشاہوں کے لئے بنائی جاتی ہیں اور وہ انکی بہت قدر کرتے ہیں۔

منصور نے پوچھا وہ کیا ہیں؟

طبیب نے کہا ''میں آپ کی داڑھی پر ایسا خضاب لگاؤں گا کہ سیاہی کبھی نہ اترے گی''۔

خلیفہ نے پوچھا ''دوسری دوا کیا ہے؟''

طبیب نے کہا ''میں آپ کو ایسی دوا دوں گا کہ آپ خوب کھا سکیں گے اور بدہضمی نہ ہوگی''

خلیفہ منصور نے پوچھا'' تیسری دوا کیا ہے؟''

طبیب نے کہا ''میں آپ کی پشت ایسی مضبوط کردوں گا کہ آپ جس قدر چاہیں جماع کریں تھکاوٹ اور کمزوری نہ ہوگی''۔

خلیفہ نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا،

میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند ہو لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ سیاہ بالوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ بڑھاپا ایک وقار اور ہیبت ہے اور میں اپنے چہرے میں پیدا کئے ہوئے اللہ کے نور کو سیاہی کی ظلمت سے نہ بدلوں گا۔ کثرت طعام سے بدن بوجھل ہوتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔ رہی عورتوں کی بات تو شہوت جنون کی ایک شاخ ہے اس کا حد سے زیادہ ہونا برا ہے۔ پس جہاں سے آیا ہے ناکام و نامراد ہو کر لوٹ جا۔ مجھے تیری دواؤں کی ضرورت نہیں ہے۔

حلال غذا اور اسکے آداب:

غذا میں سب سے ضروری ادب یہ ہے کہ وہ حلال ہو۔ اسکی تین علامات ہیں۔

1. کھانا ایک معروف چیز ہو۔ کسی ایسی چیز کا اختلاط نہ ہو جو شبہ میں ڈال دے۔
2. اس کا سبب مباح ہو یعنی کھانا کسی ممنوع ذریعے سے نہ آیا ہو۔ ظلم اور خیانت کا نہ ہو۔

3. احکام سنت کے مطابق ہو بدعات اور رسومات کا کھانا نہ ہو۔

4. حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے حلال اور عمدہ کھانے کو عمل پر مقدم فرمایا''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا (مؤمنون: ۵۱)

(کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو)

حضرت سہلؒ فرماتے تھے

"جو کھانے کے آداب نہیں بجالاتا وہ عمل کے آداب بھی بجا نہیں لاتا"

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''اگر ایک آدمی کسی بستی میں جائے اور وہاں اسکو مشتبہ چیزیں ملیں حلال میسر نہ ہو وہ بھوکا رہے اور فاقہ سے رات گزارے تو اس ساری بستی والوں کے سارے اعمال کے برابر اسکے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی''۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے تھے۔ جس نے طلب حلال کے لئے اپنے آپ کو تواضع میں ڈالا اس کے گناہ اس طرح جھڑ گئے جیسے موسم سرما میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

ایک قول ہے کہ جس نے حرام کا ایک لقمہ کھایا اسکے قلب میں چالیس دن تک قساوت رہتی ہے۔

کھانے پینے کے آداب:

سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا

4. کھانے کی برکت ہے کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا)۔

ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا فقر کو ختم کرتا ہے اور کھانے کے بعد وضو کرنا لمم (چھوٹے گناہوں) کو دور کرتا اور بصارت کو درست کرتا ہے۔

② جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار دو اس سے تمہارے قدموں کو آرام ملے گا۔ (دارمی)

③ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ دستر خوان بچھا کر کھانا کھاتے تھے۔

(بخاری)

زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا سنت ہے۔ اونچے خوانوں یعنی میزوں پر کھانا مکروہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''نبی اکرم ﷺ نے کبھی خوان میں نہیں کھایا اور نہ کبھی چنگیر میں''۔ پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کس پر کھایا کرتے تھے؟ فرمایا دستر خوان پر۔

④ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کھانا آتا تو آپ ﷺ اسے زمین پر رکھتے اور دونوں پاؤں کے بل بیٹھ کر تناول فرماتے۔ فرمایا کرتے میں سہارا لگا کر کھانے والا نہیں۔ پاؤں کی پشت پر بیٹھتے اور دائیں ٹانگ کھڑی کر لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، میں بندہ ہوں، غلاموں کی طرح (خاکساری سے) کھاتا ہوں۔''

بیٹھنے کی مسنون صورتیں تین ہیں۔ بائیں پاؤں کی پشت پر بیٹھنا اور دائیں ران کھڑی کر لینا۔ یا دونوں پاؤں کی پشت پر بیٹھنا یعنی دوزانو بیٹھنا۔ اگر جگہ کم ہو تو اکڑوں بیٹھنا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اکڑوں بیٹھے کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے

قدموں پر بیٹھنے کو اکڑوں کہتے ہیں۔ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ ایک مجلس میں کھانے والے زیادہ ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ اس میں تواضع بھی ہے اور اہل مجلس کی رعایت بھی ہے کہ دوسروں کے لئے زیادہ جگہ نکل آتی ہے۔

5. حضرت حذیفہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتن میں کھائیں پیئیں۔ (بخاری و مسلم)

6. ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے پاس سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

کھانا پینا انسانی زندگی کی بقا اور جسم کے قیام کا اصلی ذریعہ ہے۔ اس قدر اہم کام اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر شروع نہ ہونا چاہئے۔ پس کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیں

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَتِ اللّٰهِ

(اللہ کے نام اور اسکی برکت کے ساتھ)

صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے دستر خوان پر اکٹھے تھے۔ ایک بدو آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک لونڈی نے ہاتھ ڈالنا چاہا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے شیطان اس کو اپنے لئے جائز کر لیتا ہے۔

7. ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ایک ساتھ مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام لیکر کھاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لئے برکت ہوگی۔ (ابو داؤد)

سب کا مل کر ایک ساتھ کام کرنا تمدن کی بنیاد اور حسن معاشرت کا ذریعہ

ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اہل خانہ یا دوست احباب کھانا ایک ساتھ مل کر کھائیں ۔ قرآن مجید میں بھی مل کر کھانے کو الگ الگ کھانے پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک تو محبت بڑھتی ہے دوسرا کھانا زیادہ ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی تھوڑا کھاتا ہے کوئی زیادہ کھاتا ہے سب مل کر برابر ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کو تھوڑی بہت ہر چیز مل جاتی ہے۔ اس سے گھر والوں کا ایثار ثابت ہوتا ہے۔ گھر کے مالک کا تشخص اور امتیاز جو غرور کی نشانی ہے، مٹتا ہے تواضع اور خاکساری پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں مگر آسودہ نہیں ہوتے ۔ فرمایا غالباً تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں ۔ فرمایا، تم ایک ساتھ کھاؤ اور بسم اللہ پڑھ لو تو برکت ہوگی۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم دستر خوان پر اپنے بھائیوں کے ہمراہ بیٹھو تو نشست طویل کرو۔ اسلئے کہ تمہاری عمروں میں یہ ایسی گھڑی ہے جس پر حساب نہ ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ فرشتے اس وقت تک تم میں سے ہر ایک کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں جب تک اس کے سامنے دستر خوان بچھا ہوا ہے حتیٰ کہ اسے اٹھا دیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر وہ خرچ جو اپنی ذات پر یا اہل خانہ پر کرتا ہے اسکا حساب ہوگا البتہ اگر اپنے بھائیوں کو دعوت پر بلائے تو اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرنے سے حیا فرماتا ہے۔

بعض علمائے خراسان سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے بھائیوں کو [illegible] بیٹے

تو ان کے سامنے وسیع دستر خوان پر کھانے اور پھل رکھتے۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا ''ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہنچی ہے کہ جب مسلمان بھائی کھانے سے ہاتھ اٹھالیں تو باقی بچے ہوئے کھانے پر حساب نہ ہوگا'' ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں کا بچا ہوا کھانا ہم اور ہمارے اہل خانہ کھائیں تا کہ اس کا حساب کتاب نہ ہو۔

بعض سلف سے روایت ہے کہ بندہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ جو کھاتا ہے اس پر محاسبہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ جماعت میں مل کر کھانا کھاتے تھے اور تنہا کھانے سے پرہیز کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ تین کھانوں کا محاسبہ نہیں ہوتا۔ ایک سحری کا کھانا دوسرا افطاری کا کھانا اور تیسرا جس کھانے کو کئی لوگ مل کر کھائیں یا جس کھانے میں چھوٹا بچہ شریک ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ افضل ترین کھانا وہ ہے جس پر کثرت سے ہاتھ پڑیں۔

⑧ کھانا ٹیک لگا کر یا بغیر عذر کے لیٹ کر نہیں کھانا چاہئے۔ یہ طبی حیثیت سے بھی مضر ہے۔ اس طرح غذا معدہ میں اچھی طرح باآرام نہیں پہنچتی۔ مزید برآں یہ متکبرین کی علامت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ (بخاری)

⑨ اگر کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" پڑھ لیں۔ (ترمذی)

⑩ ایک روایت میں ہے کہ بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھاؤ نہ پیو کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

انسان کو اپنی ضرورت کے تحت پاک وناپاک چیزوں میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صفائی کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ الگ الگ کاموں کے لئے خاص کر دئے جائیں۔ شرع شریف میں سب اچھے کاموں کے لئے دائیں ہاتھ کو اور دفع نجاست وغیرہ کے لئے بائیں ہاتھ کو خاص کر دیا گیا۔ اس تخصیص میں ایک لمبی اور فطری مصلحت بھی ہے۔ انسان کے زیادہ تر کام فطرتاً پاک اور مباح ہوتے ہیں۔ دفع نجاست وغیرہ کے کام کبھی کبھی ہوتے ہیں۔ اسلئے زیادہ تر کاموں کے لئے دائیں پہلو کو خاص کر دیا گیا جدھر قلب نہیں ہے۔ حکمت یہ ہے کہ کام کے ہچکولوں اور جھٹکوں سے قلب کو زیادہ صدمہ نہ پہنچے۔ اسی لئے فطرتاً داہنے ہاتھ میں طاقت، چستی اور پھرتی زیادہ ہوتی ہے۔ انسان طبعاً اکثر کام دائیں ہاتھ سے کرتے ہیں۔ بایاں ہاتھ صرف اس کی مدد کے لئے لگاتے ہیں۔ پس کھانا پینا بھی دائیں ہاتھ سے چاہئے۔ شریعت نے اچھے کاموں کے لئے یمین کو یسار پر مقدم کیا ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک بدو بیٹھا ہوا تھا جبکہ بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دودھ پی کر بدو کی طرف پیالہ بڑھایا اور فرمایا، ترتیب میں دائیں جانب کا لحاظ ضروری ہے۔ (بخاری کتاب الاشربہ)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے دائیں جانب ایک لڑکا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے لوگ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے کوئی چیز پی تو لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کا تبرک کسی کو نہیں دے سکتا۔ مجبوراً آپ ﷺ نے پہلے اسی کو دیا۔ (بخاری)

(11) اگر کوئی کھانا بہت گرم ہو تو اسے ڈھانک کے رکھ دیں۔ یہاں تک کہ اسکی

بھاپ کی تیزی ختم ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا برکت کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ (دارمی)

⑫ برتن کے درمیان سے نہ کھاؤ بلکہ کناروں سے کھاؤ کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے (ترمذی)

کھانے کو درمیان میں سے اور پیالے کی چوٹی سے کھانا شروع نہ کرے۔ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔ افضل یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائیں۔ لیکن اگر ثرید وغیرہ ہے تو تمام انگلیوں کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ پھلوں میں اجازت ہے کہ ادھر ادھر سے جہاں سے جی چاہے کھالے۔

⑬ جب تمہارے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اٹھالو اور صاف کر کے کھالو' شیطان کیلئے مت چھوڑو۔

⑭ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام پرانی کھجوریں کھا رہے تھے اور اس میں سے کیڑے ڈھونڈ کر نکالتے جاتے تھے (ابوداؤد)۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی پرانے پھل میں کیڑے ہوں تو ان کو نکالے بغیر اور صاف کیے بغیر کھانا جائز نہیں۔

⑮ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے (اس کھانے کو کھانا بھی ضروری ہو کہ دوسرا کھانا نہیں) تو اس مکھی کو ڈبو کر باہر نکال دے۔ کیونکہ اس کے ایک بازو میں شفاء ہے اور دوسرے میں مرض ہے۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے ایک بازو میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ زہر والے بازو کو پہلے ڈالتی ہے اور شفاء والے کو ہٹا کر رکھتی ہے۔ (شرح السنہ)

نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں مرض کا علاج بتایا ہے۔ اس کھانے کو کھا

لینے کا حکم نہیں دیا اگر طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائے۔

16 نبی اکرم ﷺ نے زیادہ کھانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ زیادہ کھانا شوم ہے۔ یعنی اس شخص کو ایسی علت لگی ہوئی ہے جس سے اسے ہر جگہ تکلیف ہوگی اور لوگ بری نظر سے دیکھیں گے۔ (بیہقی)

ایک طبیب کا قول ہے ''تو اس وقت کھا جب بھوک ہو اور ابھی بھوک باقی ہو تو ہاتھ اٹھالے''۔ حکماء کے واقعات میں لکھا ہے کہ ارسطو کے ایک خادم نے ایک حبشی سیاہ آدمی سے کسی کام میں مدد مانگی۔ اس نے انکار کر دیا' خادم نے کہا' شاید تجھے بھی ارسطو کی ضروت پڑے۔ حبشی نے کہا' مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ خادم نے ارسطو کو بتایا تو اس نے کہا'' اگر وہ بھوک لگنے کے بعد کھاتا ہے اور سیر ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھالیتا ہے تو اسے ہماری ضرورت نہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک تہائی کھانا ایک تہائی پینا اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہو۔

کھانا دراصل مرض بھوک کا علاج ہے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کھائے تو پھر کھانا ہی مرض ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے'' چالیس سال کی عمر تک انسان کھانے کو کھاتا ہے اس کے بعد کھانا انسان کو کھاتا ہے''

حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ دین کے خلاف سب سے بڑے معاون تین ہیں۔

1. کمزور دل 2. لالچی پیٹ 3. اشتہائے شدید

بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ کون سا کھانا عمدہ ہے۔ کہا' بھوک خوب جانتی ہے۔

ایک حکیم کا قول ہے'' کہ بہترین سالن بھوک ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے کہا'' بھائی مجھے حیرت ہے کہ تمہارے فقہاء ہمارے فقہاء سے زیادہ ظریف ہیں۔ تمہارے عوام ہمارے عوام سے زیادہ ظریف ہیں۔ تمہارے دیوانے ہمارے دیوانوں سے زیادہ ظریف ہیں''۔ کہا' جانتے ہو' یہ کیوں ہے؟ جواب دیا معلوم نہیں۔ کہا' اسکی وجہ بھوک ہے۔ دیکھو جب عود کا بطن خالی ہوتا ہے تو اسکی آواز خوب صاف ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بڑے بڑے لقمے اٹھا رہے ہیں۔ جب رات کا کھانا آیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ پوچھا تیرے بڑے نوالے کھانے والے بیٹے کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ وہ بیمار ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا'' ایسا آدمی مرض سے محفوظ نہیں رہتا''۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ'' بدہضمی بھی شراب کے نشے کی طرح ایک نشہ ہے''

جالینوس سے پوچھا گیا' تم بہت کم کھاتے ہو؟ اس نے کہا "میرے کھانے کی غرض یہ ہے کہ زندہ رہوں جبکہ دوسرے لوگ اسلئے زندہ ہیں کہ کھائیں"

؎ خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بر خوردن است

(کھانے کا مقصد زندہ رہنا اور ذکر کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ تو اس بات کا قائل ہے کہ کھانے کے لئے زندہ رہنا ہے)

17 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو

آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے (مسلم)

کسی مہمان یا حاجت مند کے آنے سے تنگ دل نہ ہوں۔ خوشی کے ساتھ شریک کر لیا کریں کیونکہ اس طرح کام چل سکتا ہے اور گزارا ہو سکتا ہے۔

(18) جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور اس میں سے پڑوسیوں کا خیال کر لو۔ (مسلم)

یعنی انکو بھی ہدیۃً سالن بھیج دو۔ تمہارے پانی زیادہ ڈال دینے سے انکو بھی سالن مل سکتا ہے۔

(19) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دفعہ کھانا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسماء بنت یزیدؓ سے کھانے کو فرمایا۔ انہوں نے کہا' اس وقت خواہش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

یعنی جب بھوک ہو تو یہ نہ کہو کہ خواہش نہیں ہے۔ ایسی صورتحال میں دعوت بلا تکلف قبول کر کے کھانے میں شریک ہو جانا چاہئے۔

(20) اگر کچھ لوگ مل کر کھجوریں کھا رہے ہوں تو انکے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایک لقمہ میں دو کھجوریں نہ کھائے جب تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے۔ (بخاری و مسلم)

کھجوروں کی طرح اور کوئی چیز مل کر کھا رہے ہوں تو اسکا بھی یہی حکم ہے۔ اخلاقی حیثیت سے اس سے حرص اور لالچ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ جذبۂ ایثار کے سراسر منافی اور حرص و طمع پر دلیل ہے۔ اسلئے ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(21) اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہوں تو جب تک وہ کھانا کھاتا رہے اپنا ہاتھ نہ روکو اگرچہ پیٹ بھر چکا ہو' تا کہ اسے شرمندگی نہ ہو۔ اگر

کھانا چھوڑنا ہی ہو تو عذر کر دو۔ (ابن ماجہ)

22 نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ دل کو بھایا تو کھا لیا پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا۔ (بخاری)

کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے کیونکہ اس سے اہل خانہ اور کام کرنے والوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور ان میں حوصلہ افزائی کی بجائے نفرت اور چڑ پیدا ہوتی ہے۔ کام سدھرنے کی بجائے اور بگڑتا ہے۔ سلف صالحین کا اس بارے میں عمل یہ تھا کہ جب مرغوب کھانا مل جاتا تو کھا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر ادا کرتے اور اگر کبھی غیر مرغوب چیز ہوتی تو بھوک مٹانے کے لئے پیٹ میں ڈال لیتے مگر کھانے میں کوئی نقص نہ نکالتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بھائی کو کچھ رقم دی اور فرمایا' جاؤ ہمارے لئے مکھن' شہد اور روٹی خرید لاؤ۔ اس نے کہا' اے ابو اسحٰق! کیا اس سب کو خرید لاؤں؟ فرمایا' تیرا ناس ہو جب ملے گا تو مردوں کی طرح کھائیں گے جب نہ ملے گا تو مردوں کی طرح صبر کریں گے۔

حضرت سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو تکلف نہ کرے اس کے لئے پسندیدہ کھانے مضر نہیں۔ البتہ جو حریص ہو اس کے لئے یہ ضرر رساں ہے۔ وہ اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان کے سامنے عمدہ عمدہ چیزیں رکھتے۔ وہ کہتے' آپ ہمیں ان سے منع کرتے ہیں پھر آپ ہی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا' میں جانتا ہوں کہ تم اسے چاہتے ہو' لہٰذا میرے پاس بہتر اور عمدہ چیز کھاؤ گے۔ اگر میرے پاس کوئی زاہد آئے گا تو میں نمک کے سوا کچھ اضافہ نہ کروں گا۔ فرمایا کرتے' حلال اور عمدہ چیزیں کھانا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ بعض خلفاء کا قول ہے کہ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی اللہ تعالیٰ کے شکر میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا حضرت! میں کتنا اور کیا کھانا کھایا کروں؟ فرمایا، تو اچھا کھا اور کام اچھی طرح کر۔ پس جب اللہ تعالیٰ مرغوب نعمتیں عطا کرے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ ذکر و عبادت میں زیادہ کوشش کرے تا کہ اپنے آقا کو راضی کر سکے۔

(23) جو شخص جس برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لئے برتن استغفار کرتا ہے۔ (ترمذی)

ادب یہ ہے کہ اگر تین لقموں سے زیادہ کھانا بچ جائے تو اس طرح چھوڑے کہ بعد میں کوئی کھانا چاہے تو اسے کراہت نہ ہو۔ اگر تین لقموں سے کم بچ جائے تو پھر اسے کھا کر برتن کو صاف کر لینا ہی بہتر ہے۔ بعض عوام الناس کا خیال ہے کہ برتن میں جس قدر بھی کھانا ہو اسے ختم کرنا ہی سنت ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کھانا اپنی ضرورت کے مطابق کھانا چاہئے البتہ اگر تین لقموں سے کم بچ جائے تو اب اسے چھوڑنے میں رزق کی بے ادبی ہے۔ کوئی دوسرا اتنے تھوڑے کھانے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ اور اسکے ضائع ہونے کا خدشہ رہے گا۔ پس اگر کھانا ختم ہو جائے تو برتن کو اچھی طرح صاف کر دینا سنت ہے۔ کھانے کے بعد جو ٹکڑے گر جائیں انہیں اٹھا کر کھا لینا چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے برتن کو اچھی طرح صاف کیا اس کے لئے غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔

(24) نبی اکرم ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے

حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم)

(25) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں رات گذاری کہ اسکے ہاتھ میں کوئی چیز (چکنائی) لگی ہو جس کو دھویا نہ ہو اور پھر اسکی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے (مثلاً زہریلا جانور کاٹ لے) تو یہ شخص اپنے نفس کے علاوہ ہرگز کسی کو ملامت نہ کرے۔ (ترمذی)

اس شخص کو اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے۔

(26) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے (تو بدبو جانے تک) مسجد سے علیحدہ رہے یا فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ (بخاری و مسلم)

سلاد (کچے پیاز کے بغیر) کھانا اچھی عادت ہے۔ بتاتے ہیں کہ جس دسترخوان پر سبزی ہو وہاں فرشتے آتے ہیں۔

(27) اور جب پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور جب پی کر منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد للہ کہو۔

(ترمذی)

پانی وغیرہ کو اتنے آرام اور شائستگی سے پینا چاہئے کہ آواز پیدا نہ ہو، یہی ادب ہے۔

(28) اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو۔ بہتر یہ ہے کہ جب پانی پینے لگے تو پہلی مرتبہ ایک گھونٹ پی کر سانس لے پھر دو تین گھونٹ پانی پی کر سانس لے اور تیسری مرتبہ پیاس کے بقدر پانی پئے۔ اس طرح پانی پینے سے سیری بھی ہو جاتی ہے اور اندر سے نکلنے والی گندی سانس پانی میں نہیں لگنے پاتی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ پانی کے برتن میں سانس نہیں لینا چاہئے۔

(ابوداؤد)

اگر پینے کی چیز گرم ہو جیسے چائے وغیرہ تو اول تو زیادہ گرم چیز کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ اتنی اگر گرم کی اجازت ہے جو منہ نہ جلائے۔ گرم چیز کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پھونکیں مارنا بھی کراہت سے خالی نہیں۔ یاد رکھیں کہ ہر سانس جو اندر سے باہر آتی ہے وہ بدن کی کثافتوں کو لے کر باہر نکلتی ہے۔ گرم چیز پینے میں تین دفعہ کی قید نہیں۔ چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے چاہئیں۔ البتہ جب ختم ہونے کے قریب ہو تو تین گھونٹ میں پی کر مستحب کا ثواب حاصل کرنا چاہئے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ برتن میں نہ سانس لو اور نہ پھونک مارو (ترمذی)

(29) جو شخص (پانی وغیرہ) پلانے والا ہو وہ سب سے آخر میں خود پینے والا ہو۔ (مسلم)

(30) برتن کی پھٹی اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے منہ لگا کر نہ پئے۔ (ابوداؤد)

(31) مشکیزے سے منہ لگا کر پانی مت پیو۔ (بخاری)

لوٹے، گھڑے، صراحی یا بوتل وغیرہ کو منہ لگا کر پینا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک تو پانی کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنا پی لیا ہے۔ پھر یہ دیکھا نہیں جاسکتا کہ اس کے اندر کوئی مضر چیز تو نہیں۔

(32) کھڑے ہو کر مت پیو۔ (مسلم)

پانی بے ضرورت کھڑے ہو کر نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ وقار کے بھی خلاف ہے اور طبعی حیثیت سے بھی مضر ہے۔ پانی پیتے وقت جسم کے پٹھے ڈھیلے ہوں تو بہتر ہے اور یہ بات بیٹھ کر پانی پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ سبیل کا پانی جہاں مجمع لگا ہو اور لوگ انتظار میں ہوں کھڑے ہو کر پینا بہتر ہے۔ اگر ہر آدمی بیٹھے گا تو

انتظار کرنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ یاد رکھیں کہ زم زم کا پانی برکت دعاء اور تعظیم کی خاطر کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

(33) دستر خوان اٹھانے سے پہلے نہ اٹھو۔

بچے ہوئے کھانے اور پانی کے برتنوں کو ڈھانک کر رکھنا چاہئے تا کہ اس میں گرد وغبار یا کیڑے مکوڑے نہ پڑنے پائیں یا کوئی جانور منہ نہ ڈالے۔

(34) کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کھلایا اور پلایا۔ اس موقع کی مختلف دعائیں حدیثوں میں آئی ہیں۔ جن میں سے ایک مختصر دعا یہ ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا)

مہمان نوازی کے آداب

جس کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔

(1) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے۔

(2) مہمان کے اکرام میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے لئے جلدی سے کھانا تیار کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ (ھود:۶۹)

[نہیں دیر کی اور جلدی سے لایا بھنا ہوا بچھڑا]

پس مہمان کے سامنے جلدی کھانا رکھنے میں خلق ابراہیمی کا نمونہ ہے۔ مہمان کے لئے اچھے یعنی پر تکلف کھانے کا اہتمام ایک دن ایک رات ہونا چاہئے۔ اور مہمانی تین دن تک ہے اسکے بعد صدقہ ہوگا۔ (بخاری)

③ اپنے مہمان کے سامنے خود کھانا رکھے اور اسکی خدمت خود کرے۔ بعض مشائخ کا معمول تھا کہ اگر کوئی صاحب نسبت شیخ مہمان ہوتے تو ان کا کھانا سر پر رکھ کر لے جانا اپنا اعزاز سمجھتے تھے۔

④ مہمان کے ہمراہ کھاتے ہوئے یہ نیت ہو کہ اپنے بھائیوں کا اکرام کرتا ہوں اور ان کے لئے باعث فرحت ہوتا ہوں۔ اور جماعت کی برکات حاصل کرتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "جماعت میں برکت ہے" یہ کوئی مروت کی بات نہیں کہ انسان کے بھائی اس سے ملنے آئیں اور یہ اعراض کر کے نفلی نماز میں مشغول ہو جائے یا اس کے بھائی اسکے سامنے کھانا رکھیں اور یہ نفلی روزوں کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ کھائے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ بندہ حسن اخلاق کے ذریعہ روزہ دار اور قیام کرنے والے کا سا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

⑤ مہمان کے سامنے پہلے میوہ رکھا جائے بعد میں کھانا پیش کیا جائے۔ قرآنی ترتیب ہے۔

وَ فَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ○ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ○

[اور میوہ جونسا چن لیں اور گوشت پرندوں کا جو چاہیں]

(واقعہ: ۲۰، ۲۱)

⑥ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو دعوت دی اور بڑی مقدار میں کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا، اے ابو اسحٰق!

آپ ڈرتے نہیں' کیا اس قدر میں اسراف نہیں ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ مہمان کے کھانے میں اسراف نہیں ہوتا۔

7 ایک سخی آدمی نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور نانبائی کو بلا کر کہا تمہارے پاس جس جس قسم کی روٹی ہو مہمانوں کو پیش کر دو۔ جب مہمان کھانے سے فارغ ہونے لگے تو اس سخی نے گھٹنے ٹیک کر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا 'اللہ تعالیٰ تم پر برکت فرمائے میری مدد کرو یعنی مزید کھاؤ اور خوب کھاؤ۔

یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحب استطاعت ہوں۔ اگر میزبان غریب ہے تو اسے مہمان نوازی کے سلسلہ میں ایسا تکلف نہیں کرنا چاہئے کہ قرض لینا پڑے یا سخت بوجھ ہو۔ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ آپؓ نے فرمایا' تین شرطوں پر دعوت قبول کرتا ہوں۔

- تو بازار سے کچھ نہیں لائے گا۔
- جو گھر میں ہے اسے ذخیرہ نہیں کرے گا۔
- اپنے اہل و عیال کو سخت مشقت میں نہ ڈالے گا۔

8 حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ ان کے ہاں مہمان آئے۔ انہوں نے جو کا ایک ٹکڑا اور روٹی پیش کی اور جو سبزی وہ بوتے تھے وہ سامنے رکھی اور فرمایا'

''کھاؤ اگر اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں تمہاری خاطر تکلف کرتا''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے جو موجود ہوتا پیش کر دیتے۔ خشک ٹکڑے' اچھی اور معمولی کھجوریں جو ما حضر ہوتا سامنے رکھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص

بغیر دعوت کے (کھانے کے لئے) داخل ہو گیا وہ چور بن کر اندر گیا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (ابوداؤد)

9 حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، فرمایا' میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ سلمان رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لئے گیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے جو کی روٹی اور پسا ہوا نمک رکھا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اگر نمک کے ساتھ پودینہ بھی ہوتا تو خوب ہوتا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور لوٹا رہن رکھ کر پودینہ خرید لائے۔ جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا' اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے ہمیں جو روزی دی اس پر قناعت عطا کی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اگر تو دی ہوئی روزی پر قناعت کرتا تو مجھے لوٹا گروی نہ رکھنا پڑتا"

ایک روایت میں ہے کہ مہمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اسکا دل تنگ ہو جائے۔ (بخاری)

10 اگر مہمان میزبان میں خوب بے تکلفی ہے تو مہمان کو چاہئے کہ اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ زعفرانی کے ہاں مہمان تھے۔ جمعہ کے روز دونوں نماز کی طرف آنے لگے تو زعفرانی اپنی لونڈی کو رقعہ بنا کر دیا کرتے کہ فلاں فلاں کھانا تیار کر دو۔

ایک روز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لونڈی کو بلایا اور رقعہ میں اپنی پسند کے ایک کھانے کا اضافہ کر دیا۔ جب زعفرانی نے دستر خوان پر نیا کھانا دیکھا تو اسے حیرت ہوئی۔ لونڈی نے بتایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رقعہ میں یہ اضافہ کر دیا۔ اس نے کہا رقعہ لاؤ۔ جب اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی تو اتنا خوش ہوا کہ لونڈی کو آزاد کر دیا۔ بغداد کے مغربی حصے میں باب الشعیر کے

پاس ''درب الزعفرانی'' اسی کے نام سے مشہور ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

''جس نے اپنے بھائی کی جائز خواہش کو پورا کیا اس کی بخشش ہوگئی اور جس نے اپنے مومن بھائی کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا'' (مشکوٰۃ)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس نے اپنے بھائی کو اس کی چاہت سے لذت یاب کیا (پسند کا کھانا کھلایا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھے گا' دس لاکھ گناہ معاف کرے گا' ایک ہزار درجات بلند کریگا اور تین بہشتوں سے کھلائے گا۔ جنت فردوس' جنت عدن اور جنت خلد سے۔

(11) جب مہمان کھانے سے فارغ ہوجائیں تو خود انہیں ہاتھ دھلوائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کھانے پر جمع ہوئے۔ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف طشتری بڑھائی گئی تا کہ وہ ہاتھ دھولیں۔ وہ رک گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' اگر تیرا بھائی تیرا اکرام کرے تو اسکی عزت افزائی کو قبول کرلے اور رد نہ کر اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اکرام کررہا ہے''

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے محدث ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نابینا کو کھانے پر بلایا اور طشتری میں ان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالا۔ جب فارغ ہوئے تو پوچھا' اے ابو معاویہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھوں پر کس نے پانی ڈالا؟ فرمایا نہیں۔ کہا' امیر المومنین نے۔ فرمایا' اے امیر المومنین! تو نے علم کی عزت وتکریم کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے عزت واکرام بخشے گا جیسے تو نے علم کی عزت وتکریم کی ہے۔

(12) کھانے کے بعد مہمان کو خلال پیش کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں کو اسکی سخت

ضرورت ہوتی ہے۔ خلال کی وجہ سے دانتوں سے نکلے ہوئے ذرات کو نہیں نگلنا چاہئے۔ یہ مرض اور مکروہ چیز ہے۔ البتہ جو دانتوں سے لگا ہوا ہو اسے نگل لینے میں ہرج نہیں۔ خلال کے بعد کلی کرنی چاہئے۔

(13) جب مہمان رخصت ہونے لگیں تو اگر استطاعت ہو تو انہیں ہدیہ دے کر روانہ کرے۔ وگرنہ کم از کم ان کے لئے جوتے سیدھے کرنے کو اپنی سعادت جانے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ (مرد کو) رخصت کرتے وقت مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے۔ (ابن ماجہ)

(14) میزبان کو چاہئے کہ دعوت دیتے وقت سات نیتیں ذہن میں رکھے۔

- دعوت میں اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی نیت ہو۔
- دوسری نیت سنت قائم کرنے کی ہو۔
- تیسری نیت یہ ہو کہ اپنے بھائی کی عزت افزائی کی خاطر دعوت دے۔
- چوتھی نیت، مومن بھائی کا دل خوش کرنے کی ہو۔
- پانچویں نیت، اس کے دل سے غم دور کرنے ہو۔
- چھٹی نیت' اپنے بھائی سے ملاقات کی ہو۔
- ساتویں نیت، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہو۔

(15) مہمان کو چاہئے کہ پانچ آدمیوں کی دعوت قبول نہ کرے۔

- بدعتی آدمی کی دعوت قبول نہ کرے۔
- ظالموں اوران کے مددگاروں کی دعوت قبول نہ کرے۔
- سود کھانے والے کی دعوت قبول نہ کرے۔
- ایسا فاسق جو برملا فسق میں مبتلا ہو اسکی دعوت قبول نہ کرے۔
- جس کا مال زیادہ تر حرام کا ہو اسکی دعوت قبول نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا، ''تو صرف پرہیز گار کا کھانا ہی کھا''

اگر آدمی ظالموں کا کھانا کھائے تو گویا ان کے ظلم پر ان کا معاون بنا۔

خیاط بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ سے پوچھا' میں بعض ظالموں کے وکلاء کے لئے کپڑے سیتا ہوں تو کیا خطرہ ہے کہ میں ظالموں کا مددگار ہوں؟ فرمایا' تو ظالموں کا مددگار نہیں بلکہ تو خود ظالموں میں سے ہے۔ ظالموں کے مددگار تو وہ ہیں جو تجھے سوئی دھاگہ بیچتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ بادشاہ نے قید کیا۔ انہیں حکومت کی طرف سے کھانا دیا جاتا جسے وہ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک نیک بڑھیا نے انہیں کھانا بھیجنا شروع کیا۔ وہ پھر بھی کھانا نہ کھاتے۔

جب قید خانے سے رہا ہوئے تو نیک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کھانا واپس کرنیکی وجہ پوچھی اور کہا آپ جانتے تھے کہ یہ کھانا میرے گھر سے آتا ہے۔ فرمایا' ہاں ٹھیک ہے مگر یہ ایک ظالم کی طشتری میں آتا تھا۔ اس برتن کی وجہ سے میں نے واپس کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ایک دہقان نے سونے کے پیالے میں حلوہ بھیجا۔ آپؓ نے واپس کر دیا اور فرمایا' میں نے اس برتن کی وجہ سے واپس کیا جس میں حلوہ تھا۔

رزق کا ادب

رزق سے متعلق چند آداب درج ذیل ہیں۔

(1) حتی الوسع کوشش کی جائے کے کھانا باوضو کھائیں۔

(2) کھانے والے دستر خوان پر پہلے بیٹھیں اور کھانا بعد میں چنا جائے۔ جب کھا چکیں تو دسترِ خوان سے کھانا پہلے اٹھالیا جائے بعد میں لوگ اٹھیں۔

(3) زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے سے زیادہ ادب کے قریب ہے۔

(4) پلیٹ میں کھانا لے کر کھڑے ہو کر یا چل پھر کر کھانا ادب سے دور ہے۔ چل پھر کر کھانا حیوانوں کے مشابہ ہے۔

(5) ٹیک لگا کر کھانا ادب کے خلاف ہے۔

(6) کھانے میں عیب نکالنا بے ادبی ہے۔ اگر پسند نہ ہو تو نہ کھائے مگر معمولی باتوں پر نکتہ چینی نہ کرے۔

(7) اگر کھانا پسند آئے تو اسکی تعریف کرنا ادب میں شامل ہے۔

(8) دستر خوان پر گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھالینا ادب میں شامل ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ ایران میں کسریٰ کے محل میں نمائندے بن کر گئے۔ کھانے کے دوران حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا تو انہوں نے اٹھانا چاہا۔ برابر والے آدمی نے اشارے سے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

اَاَترُکُ سُنَّةَ حَبِیبِی لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءِ

(کیا میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ان بے وقوف لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دوں)

(9) سالن سے آلودہ ہاتھ چاٹ لینا بہتر ہے۔ ہاتھوں سے لگے ہوئے سالن کو پانی سے دھو کر نالی میں بہا دینا خلاف ادب ہے۔ اسی طرح برتن کا بچا ہوا سالن اچھی طرح صاف کر دیا جائے۔ بعض لوگ تو سالن ڈالتے وقت پلیٹ بھر لیتے ہیں

مگر تھوڑا سا کھا کر بقیہ سالن ضائع کر دیتے ہیں یہ خلاف ادب ہے۔

(10) دستر خوان مناسب جگہ پر جھاڑا جائے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ کھانے سے فراغت پر مفتی صاحب نے دستر خوان سمیٹنا چاہا۔ مولانا اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا' کیا کرنا چاہتے ہیں؟ بتایا کہ دستر خوان جھاڑ دوں گا۔ پوچھا' دستر خوان جھاڑنا آتا بھی ہے؟ مفتی صاحب حیران ہوئے کہ اس میں جاننے والی کونسی بات ہے۔ لہٰذا یوں پوچھا کہ آپ بتا دیجئے کیسے جھاڑتے ہیں؟ فرمایا' یہ بھی ایک فن ہے۔ پھر ہڈیوں کو' گوشت لگی بوٹیوں کو' روٹی کے ٹکڑوں کو اور چھوٹے ذرات کو الگ الگ کیا۔ پھر ہڈیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں کتے کھا سکیں۔ گوشت لگی بوٹیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں بلی کھا سکے۔ روٹی کے ٹکڑوں کو دیوار پر رکھ دیا تاکہ پرندے کھا سکیں۔ چھوٹے چھوٹے ذرات کو ایسی جگہ ڈالا جہاں چیونٹیوں کا بل قریب تھا۔ پھر فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اسکا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک عالم مہمان ہوئے تو انہوں نے کھانے میں پھل پیش کئے۔ فراغت پر اس عالم نے کہا' حضرت! پھلوں کے چھلکے میں باہر پھینک دیتا ہوں۔ پوچھا' پھینکنے آتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس میں آنے والی بات کیا ہے؟ فرمایا' میرے پڑوس میں غرباء رہتے ہیں اگر سب چھلکے ایک جگہ پھینک دیئے تو انہیں دیکھ کر حسرت ہوگی۔ پس تھوڑے تھوڑے چھلکے اس طرح متعدد جگہوں پر پھینک دیئے کہ دیکھنے والوں کو احساس بھی نہ ہو۔

(11) بعض لوگ روٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے کوڑا کرکٹ میں ڈال دیتے ہیں۔

یہ سخت بے ادبی ہے۔ دیکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ ان ٹکڑوں کو اٹھا کر اونچی جگہ رکھ دیں۔

ایک بزرگ اپنی سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے اور چنے بھی کھا رہے تھے۔ ایک چنا ہاتھ سے گر گیا۔ انہوں نے سواری روکی اور نیچے اتر کر چنا اٹھا کر کھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دی کہ اس بندے نے میرے رزق کا ادب کیا۔

⑫ آجکل مشروبات پیتے ہوئے تھوڑا سا مشروب برتن میں بچا دینا فیشن بن گیا ہے۔ یہ تکبر کی علامت ہے اور رزق کی بے ادبی ہے۔ حضرت اقدس تھانویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو آپ کے لئے دودھ لایا گیا۔ آپ نے نوش فرمایا اور تھوڑا سا بچا ہوا دودھ سرہانے رکھ دیا۔ اس دوران آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو گلاس اپنی جگہ سے غائب پایا۔ خادم سے پوچھا کہ اس بچے ہوئے دودھ کا کیا معاملہ بنا؟ اس نے کہا' حضرت! ایک گھونٹ ہی تو تھا وہ پھینک دیا۔ آپ بہت ناراض ہوئے۔ فرمایا' تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی۔ خود ہی پی لیتے یا طوطے بلی وغیرہ کو پلا دیتے تا کہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا۔ پھر ایک اصول سمجھایا کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے اسکی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمے واجب ہوتی ہے۔

⑬ حضرت خواجہ فضل علی شاہ قریشی مسکین پوریؒ کی خانقاہ پر سالکین کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ ایک مرتبہ جب سالکین کے لئے دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا چن دیا گیا تو حضرت نے فرمایا' فقیرو! یہ روٹی جو تمہارے سامنے رکھی گئی ہے۔ اسکی گندم کے لئے کھیت میں باوضو ہل چلایا گیا' باوضو پانی دیا گیا' جب گندم کی فصل پک کر تیار ہوگئی تو اسے باوضو کاٹا گیا' پھر گندم کو بھوسے سے باوضو جدا کیا گیا' اس گندم کو

باوضو پیس کر آٹا بنایا گیا' پھر اس آٹے کو باوضو گوندھا گیا' اس کی روٹی باوضو بنائی گئی' پھر باوضو آپ کے سامنے لاکر رکھی گئی۔ کاش! کہ آپ بھی اسے باوضو کھالیتے۔

آداب لباس

اسلام دین فطرت ہے اس نے ستر پوشی کو دین کا اتنا اہم جزو ٹھہرایا ہے کہ بلا مجبوری اس کے بغیر نماز بھی ادا نہیں ہو سکتی۔ لباس پہننے کے تین مقاصد ہوتے ہیں۔

1. جسم کو سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچایا جائے۔
2. انسانی بدن کے جن حصوں پر دوسروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے وہ چھپے رہیں۔
3. انسانی شخصیت کو زیب و زینت نصیب ہو۔

مردوں کیلئے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ اور شریف آزاد عورتوں کے لئے سر کے بالوں سے لیکر ٹخنوں اور گٹوں تک اور لونڈیوں کے لئے پیٹ اور پیٹھ سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے۔ انسان کیلئے ستر کا غیر کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بلا وجہ کھولنا بھی پسندیدہ نہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم تنہائی میں ہوں یعنی کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو تو کیا ستر کھول سکتے ہیں؟ فرمایا' اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے اس سے اور زیادہ حیا کرنا چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کبھی ننگے نہ ہو کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو برہنگی کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔

حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو بہشت کا لباس پہنایا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بھول ہوئی تو وہ لباس بدن سے اتر گیا۔ وہ فوراً درخت کے پتوں سے اپنی برہنگی چھپانے لگے۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف:۲۲)

(جب ان دونوں نے درخت کو چکھا ان کے ستر ان پر کھل گئے تو وہ اپنے اوپر درخت کے پتوں کو جوڑنے لگے)

اس سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی انسان کی فطرت ہے گو کہ دنیا میں آ کر نفس و شیطان کے اثرات سے یہ فطرت بگڑ جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف:۲۶)

[اے اولاد آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو ڈھانکے تمہارا ستر اور (تمہارے بدن کو) زینت دے۔ اور پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے]

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیز گاری ہو۔ مرد ریشمی لباس نہ پہنے کہ لوگوں کو نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

آداب لباس کی مزید تشریح درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

1. جس نے (دنیا میں) نام ونمود کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (مسند احمد)

لباس تین طرح کے ہوتے ہیں۔

آسائش کا لباس۔ (یہ جائز ہے)

زیبائش کا لباس۔ (یہ بھی جائز ہے)

نمائش کا لباس۔ (یہ ناجائز ہے)

2 فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم (پہننا) حلال ہے اور مردوں پر حرام کر دیا گیا۔ (ترمذی)

مردوں کو (کسی خاص عذر کے بغیر) ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہئے کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے اور محنت کی بجائے عیش کی یاد دلاتا ہے

3 فرمایا کہ مرد عورت کا اور عورت مرد کا لباس نہ پہنے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

مردوں کے لئے عورتوں کی سی پوشاک اور عورتوں کے لئے مردوں کی سی پوشاک پہننا جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں کی اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔

4 ارشاد فرمایا کہ جب تم (کپڑے) پہنو اور جب تم وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کیا کرو۔ (ابوداؤد)

5 ارشاد فرمایا کہ کھاؤ پیو، صدقہ کرو اور پہنو (لیکن) اس حد تک کہ فضول خرچی اور غرور کی ملاوٹ نہ ہو۔ (مسند احمد)

6 حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”تم سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ (یہ مردوں کو ترغیب دی گئی ہے) اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو“۔ (ترمذی)

7 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو عمامہ کا شملہ مونڈھوں کے درمیان ڈال دیتے تھے۔ (ترمذی)

8 حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپیوں پر پگڑی ہونے کا فرق ہے۔ (ترمذی)

نبی اکرم ﷺ کی عمومی سنت مبارک پگڑی اوراس کے نیچے ٹوپی پہننے کی تھی تاہم صرف ٹوپی اور صرف پگڑی بھی آپ علیہ السلام سے پہننا ثابت ہے۔ (عالمگیریہ)

9 ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پگڑی پہنائی تو اس کا (ایک) کنارہ سامنے کی طرف اور دوسرا کنارہ پیچھے کی طرف ڈال دیا۔

(ابوداؤد)

10 حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کرتے کی آستین پہنچے تک تھی۔ (ترمذی)

آستین والی پوشاک پہنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں آستین ڈالنی چاہئے۔

11 ارشاد فرمایا کہ ٹخنے سے نیچے جو تہبند (پائجامہ) کا حصہ ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا۔ (بخاری)

یہ حکم مردوں کے لئے ہے۔ انہیں تہبند یا پائجامہ اس طرح باندھنا چاہئے کہ ٹخنوں سے اوپر رہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ ٹخنے ڈھکے رہیں البتہ اتنا نیچا کپڑا عورتیں بھی نہ پہنیں کہ زمین پر گھسٹتا رہے۔

12 نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے تہبند کو تکبر کے طور پر اتراتے ہوئے گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے وقت اسکی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے۔

(بخاری ومسلم)

13 ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں پہننا ٹھیک نہیں۔ خواہ امیروں کی زرق برق پوشاکیں ہوں یا صوفیوں کے گیرودار جبے ہوں۔ کیونکہ ایسے کپڑے پہننے والوں کی اصل منشاء اپنے کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی خواہش ہے۔ یہ ہوس نفس کا کھلا ثبوت ہے۔

14 مرد یا عورت کوئی ایسے باریک کپڑے نہ پہنے جن سے ستر دکھائی دے۔

عورتوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''کتنے کپڑے پہننے والیاں ہیں جو حقیقت میں ننگی رہتی ہیں''۔

15 ایسا کپڑا پہننا جس سے پوری ستر پوشی نہ ہو یعنی اس سے ستر کے پورے حدود نہ چھپیں جائز نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کوئی ایسا ہی کپڑا پہن کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا' اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے ہو تو ان کے سوا کھولنا حلال نہیں۔ (آپ ﷺ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا)

16 مرد شوخ رنگ خصوصاً سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنے۔ سرخ دھاری کے کپڑے جائز ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سرخ دھاری والی چادر اوڑھی ہے۔ زرد رنگ کے کپڑے بھی آپ ﷺ نے پہنے ہیں۔ سبز رنگ کی چادر بھی نبی اکرم ﷺ نے اوڑھی ہے۔ اس رنگ کا تہبند بھی باندھا ہے۔ سیاہ اور سفید رنگ کا عمامہ بھی استعمال فرمایا ہے۔ سبز عمامہ کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

17 نیا لباس پہنتے وقت نبی اکرم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَاقُوَّةٍ

[اللہ تعالیٰ کی حمد کہ اس نے مجھ کو یہ پہناوا عطا کیا میری قوت کے بغیر (محض اپنے فضل سے)]

18 جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پاؤں میں جوتا ڈالو۔ جب جوتا اتارو تو پہلے بایاں پاؤں نکالو۔ (بخاری)

19 ایک جوتا پہن کر نہ چلو دونوں جوتے اتار دو یا دونوں پہن لو۔ (بخاری)

(20) مومن کا لباس کفار کے لباس سے مشابہ نہیں ہونا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوا)

سلف صالحین کے اقوال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لباس لباس سے اس وقت مشابہ ہوتا ہے جب دل دل سے مشابہ ہوتا ہے''

جو لوگ مسنون لباس پہنتے ہیں یہ ان کے قلب میں حُب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راسخ ہونے کی دلیل ہے۔ جو لوگ فاسقانہ لباس پہنتے ہیں یہ ان کے قلب کے فسق پر دلیل ہے۔

بعض سلف صالحین کا فرمان ہے ''زہد کی ابتدا لباس ہے'' بعض علماء کا فرمان ہے ''جس کا لباس رقیق ہے اسکا دین بھی رقیق ہو گیا''

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر زینت ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کرتے ہوئے لباس فاخرہ اتار دیا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ یاقوت کے تختوں میں اعلیٰ ترین جنت اس کے لئے جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی ''میرے اولیاء سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کا سا لباس نہ پہنیں اور میرے دشمنوں کے گھروں میں نہ جائیں ورنہ وہ جس طرح میرے دشمن ہیں تم بھی میرے دشمن بن جاؤ گے''۔

بشر بن مروان نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اپنے امیر کو دیکھو لوگوں کو وعظ کر رہا ہے اور اس پر فساق کا لباس ہے۔ کسی نے پوچھا کہ

اس کا لباس کیسا تھا فرمایا کہ باریک لباس تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدایت پر پابندی لگائی کہ وہ معمولی درجہ کا لباس اختیار کریں تا کہ دولتمند انکی پیروی کریں اور فقیر کو ان کا فقر شکستہ دل نہ کرے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سوت کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ان کی قمیص کی قیمت تین درہم اور پانچ درہم کی ہوتی تھی۔ اگر انگلیوں سے آستین آگے بڑھ جاتی تو وہ کاٹ دیتے اور فرماتے' یہ تواضع کے قریب تر ہے اور اس قابل ہے کہ مسلمان میری اقتدا کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے چادریں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ پر ایک ایک چادر کر کے تقسیم فرمادیں۔ پھر جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپؓ نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ فرمایا' خبردار سنو۔ خبردار سنو!! پھر نصیحت فرمائی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا' واللہ ہم نہیں سنیں گے'۔ پوچھا' کیوں؟ کہا' اسلئے کہ آپ نے ہمیں ایک ایک چادر دی اور خود دو چادریں لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسکرائے اور کہا' اے ابو عبداللہ! تو نے جلدی کی۔ اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ میں نے اپنے کپڑے دھوئے تھے اسلئے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی چادر مستعار لی اور اپنی چادر کے ساتھ اسے بھی اوڑھ لیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا' آپ کہیئے اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے'

''بوسیدہ کرو کپڑے وغیرہ کو۔ کھردرا لباس استعمال کرو۔ چست رہو اور عجم کے لباس یعنی قیصر و کسریٰ کے لباس سے بچ کر رہو''۔

حدیث پاک میں ہے ''اللہ تعالیٰ سادہ لباس پہننے والے کو پسند کرتا ہے'' جو

اسکی پرواہ نہ کرے کہ کیا پہنا۔ یعنی جو نفاست اور قرینے میں ڈوبا نہ رہے بلکہ جیسا ملا ویسا پہن لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی بھی لباس شہرت پہنے جب تک اسے اتار نہ دے اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرمالیتا ہے۔ چاہے اس کے نزدیک وہ (پہلے) محبوب ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

''ایسا لباس پہن جو علماء میں تیری شہرت نہ کرے اور جہلا میں تیری تحقیر نہ کرے''

حضرت ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بہترین کپڑا وہ ہے جو میری خدمت کرے اور بدترین کپڑا وہ ہے جس کی میں خدمت کروں''

بعض سلف کا فرمان ہے کہ مجھے سب سے پسندیدہ لباس وہ ہے جو مجھ سے خدمت نہ کرائے اور مجھے سب سے محبوب کھانا وہ ہے جس کے بعد ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لباس میں چودہ پیوند شمار کئے گئے۔ ان میں سے بعض چمڑے کے تھے۔

بعض علماء سلف کا قول ہے کہ ابن آدم پر کپڑوں کی کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے سزا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

''اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو اغنیاء کی ہم نشینی سے بچتے رہنا اور اس وقت تک کپڑا نہ اتارنا جب تک اسے پیوند نہ لگے''

آداب ملاقات

1. دنیا کی تمام قوموں میں ملاقات کے وقت خوشی اور محبت ظاہر کرنے کے لئے کچھ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل عربوں میں ملاقات کے وقت انعم اللہ بک عینا (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کے الفاظ کہنے کا دستور تھا۔ اہل فارس ''ہزار سال بزی'' (ہزار سال جیو) کا فقرہ کہتے تھے۔ یورپ میں گڈ مارننگ (اچھی صبح) اور گڈ ایوننگ (اچھی شام) وغیرہ کہنے کا رواج تھا۔ مگر اسلام نے ان سب کی بجائے ''السلام علیکم'' کے الفاظ کہنے کی تعلیم دی۔ اس میں مندرجہ ذیل مصلحتیں ہیں۔

1. یہ تمام انبیائے کرام کا متفقہ طریقہ ہے۔
2. اسکی صورت ذکر و دعا کی ہے گویا دائمی اور سرمدی سلامتی کا راز ہے۔
3. اسمیں مذہبی شان زیادہ پائی جاتی ہے یعنی وہ سلامتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بندوں پر نازل ہوتی ہے۔
4. اس میں مبالغہ آمیز تعظیم نہیں پائی جاتی جو بندگی، کورنش اور آداب عرض کے الفاظ میں ہے۔
5. دنیا میں ایک انسان دوسرے کو سب سے بہتر یہی دعا دے سکتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔
6. یہ الفاظ مسلمانوں کے درمیان آپس کی پہچان اور علامت ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سلام کرنے کے بارے میں درج ذیل تعلیمات دی ہیں۔

◎ ہر مسلمان کو سلام کرو جان پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری)
عورتیں عورتوں میں اسکا خیال رکھیں اور مرد مردوں میں اسکا خیال رکھیں۔
◎ ہر سوار پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی تعداد والی جماعت بڑی جماعت کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری)
◎ بات کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ (ترمذی)
◎ یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔ (مسلم)
ہندو سکھ عیسائی مرزائی سب اسی حکم میں شامل ہیں۔
◎ جب ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کرلیا اور (ذرا دیر کو) درمیان میں درخت یا پتھر یا دیوار کی آڑ آ گئی پھر اسی وقت دوبارہ ملاقات ہوگئی تو دوبارہ سلام کرے (ابوداؤد) یعنی یہ نہ سوچے کہ ابھی چند لمحے تو پہلے سلام کیا ہے اب دوبارہ اتنی جلدی کیوں سلام کروں۔
◎ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (ترمذی)
◎ جب کسی گھر میں داخل ہو تو وہاں کے لوگوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو سلام کرے۔ (بیہقی)
◎ اللہ تعالیٰ سے سب سے قریب وہ شخص ہے جو (دوسرے کا انتظار کئے بغیر) خود سلام میں پہل کرے۔ (بخاری)
◎ سلام میں رحمتہ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ کا اضافہ کرنا اور بھی موجب ثواب ہے۔
◎ ایک بار ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، السلام علیکم، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں۔ دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کو بیس نیکیاں ملیں۔ تیسرا آدمی

آیا اور اس نے کہا' السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسکو تیس نیکیاں ملیں۔ (مشکوٰۃ شریف میں برکاتہ کے بعد مغفرتہ کے الفاظ بھی آئے ہیں)

◎ جس شخص کو سلام کیا جائے اس پر واجب ہے کہ سلام کا جواب اسی طریقہ سے بلکہ اس سے بہتر طریقہ سے دے۔

2. ملاقات کے وقت اظہار محبت کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سلام کا تکملہ مصافحہ کرنا (یعنی ہاتھ کا پکڑنا) ہے۔ مدینہ میں یہ تحفہ اہل یمن لائے اور نبی اکرم ﷺ نے قبول فرمالیا۔

◎ تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ کرلیا جائے۔ (احمد)

◎ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ضرور اسکی بخشش کردی جاتی ہے۔ (ترمذی)

3. ملاقات یا کسی کام کے لئے کسی کے گھر جانے کے لئے صاحب خانہ سے اجازت لینا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ○

[اے مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت لو اور سلام کرو اہل خانہ پر یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ پھر اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو (بے تامل) لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسکو جانتا ہے] (النور: ۲۷، ۲۸)

◎ غیر محرم عورتوں سے گفتگو کرنے کے لئے ان کے شوہروں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ (ترمذی)

◎ اگر کوئی شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں تانک جھانک کرے اور کوئی اسکی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ (ترمذی)

ایک بار کسی نے نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارک میں تانک جھانک کی۔ آپ ﷺ اس وقت لوہے کی ایک کنگھی سے سر جھاڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس کو تمہاری آنکھوں میں گھسا دیتا۔ پھر فرمایا

اِنَّمَا جَعَلَ الْاِذْنَ مِنْ قَبْلِ الْبَصَرِ ۔ پھر فرمایا۔ اِنَّمَا جَعَلَ الْاِسْتِیْذَانَ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ

(اجازت کی ضرورت تو اسی لئے ہے کہ دیکھو نہیں)

نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی مکان پر جا کر دستک دیتے تو دروازے کے سامنے کھڑا ہونے کی بجائے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے۔

4 کسی گھر کے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کر کے کہے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اگر تین بار کہنے کے باوجود اجازت نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہئے۔ (ابوداؤد)

◎ اگر کسی کو خود بلایا جائے تو اسکو اجازت لینے کی ضرورت نہیں (الادب المفرد)

◎ اگر کوئی شخص گھر کے دالان میں سامنے بیٹھا ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو تو اس وقت بھی اجازت لینا ضروری نہیں۔ (الادب المفرد)

◎ بازار کی دکانوں میں یا دوسری عوامی جگہوں میں جانے کیلئے اجازت مانگنے کی پابندی نہیں۔ عرف میں اجازت ہوتی ہی ہے۔

◎ اگر اپنے گھر میں مرد داخل ہونا چاہیں تو بھی بہتر یہی ہے کہ اجازت لیں۔ اگر گھر کی عورتیں بے تکلفی کی حالت میں ہوں تو سنبھل جائیں گی یا اگر غیر محرم عورتیں آ گئی ہوں تو ہوشیار ہو جائیں گی۔

5 جن لوگوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں مثلاً چھوٹے بچے' لونڈی یا غلام وغیرہ انکے لئے ہر وقت اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اسمیں عمومی حرج ہے۔ البتہ خاص خاص اوقات میں ان کے لئے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ مثلاً نماز صبح سے پہلے' دو پہر قیلولہ کرنے کے وقت اور نماز عشاء کے بعد۔

6. جب چھوٹے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کے لئے بھی اسی طرح اجازت طلب کرنا ضروری ہے جس طرح بڑی عمر کے لوگ گھر میں داخلے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

آداب مجلس

آداب مجلس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وقار اور شائستگی کی شکل پیدا ہو۔ نشست و برخاست کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

1 مجلس میں جہاں تک نشست کا دائرہ پہنچ چکا ہو بے تکلف وہاں جگہ ملنے پر بیٹھ جانا چاہئے۔ مجمع کو چیر کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے اس سے پہلے آنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مزید برآں ایسا کرنا غرور وتکبر کی علامت ہے۔ جمعہ کی جماعت میں بالخصوص تخطی رقاب (دوسروں کی گردنوں کو روند کر آگے بڑھنا) حدیث پاک میں منع کیا گیا ہے۔

2 اگر کوئی شخص مجلس میں ایک جگہ بیٹھا ہو پھر وقتی ضرورت کے لئے اٹھ کر جائے

تو پلٹنے کے بعد اس جگہ کا وہی حقدار ہوگا۔

اَلْفَضلُ لِلْمُتقَدِّمِ (پہلے آنے والے کا حق فائق ہوتا ہے)

③ اگر کہیں دو شخص باہم مصروف گفتگو ہیں تو تیسرے کو بغیر اجازت مخل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر انکی اجازت کے بیٹھ جائے۔ (ترمذی)

④ اگر مجلس میں کچھ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوں تو کسی کو اس حلقہ کے وسط میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اس حالت میں کچھ لوگوں کی طرف اسکا منہ ہوگا کچھ کی طرف پشت ہوگی۔ ایسے شخص پر نبی اکرم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ (ترمذی)

⑤ مجلس میں اگر لوگ بیٹھے ہیں تو بعد میں آنے والوں کو جگہ ہونے کے باوجود کھڑے رہنا منع ہے۔ (ابوداؤد)

⑥ مجلس میں جو جگہ معزز ہو از خود وہاں بیٹھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اپنے بھائی کی معزز جگہ پر اسکی اجازت کے بغیر کوئی نہ بیٹھے۔

(ترمذی)

⑦ کسی کو اسکی جگہ سے اٹھا کر خود نہیں بیٹھنا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والون کو جگہ دینے کیلئے مجلس کشادہ کرلیں۔ (بخاری)

⑧ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَاقِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا
يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

[اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی کرو تو کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کرے گا اور اگر کہا جائے کہ

اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو] (مجادلہ:11)

9 مجلس میں سب لوگ متفرق نہ بیٹھیں بلکہ مل مل کر بیٹھیں۔ (ابوداؤد)

10 جب کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو جگہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام کے لئے ذرا سا کھسک جاؤ (بیہقی)۔ عورتیں بھی اسکا خیال کریں کہ جب کوئی عورت آئے تو اسکے لئے اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک جائیں۔

11 جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا (بخاری)۔ کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

12 انسان پر سب سے زیادہ اثر صحبت کا پڑتا ہے۔ اسلئے ہمیشہ نیک لوگوں سے مجلس رکھنی چاہیے۔ ایک مثل مشہور ہے کہ اگر کسی کے اخلاق کا پتہ لگانا چاہو تو اس کے دوستوں کے اخلاق کا پتہ لگاؤ۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے'' اس لئے ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ اچھے اور برے ہمنشین کی مثال عطار اور لوہار کی سی ہے۔ یعنی عطار کے پاس بیٹھنے سے اول تو اسکی بھٹی کی آگ سے کپڑے جلیں گے ورنہ کم از کم دھواں اور سیاہی تو ضرور ملے گی۔

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

[نال کسنگی سنگ نہ کریئے تے کنڑ نوں لاج نہ لایئے ہو
کوڑے کھوہ کدیں مٹھے نہ ہوندے بھانویں لکھ مناں گڑ پایئے ہو
کانواں دے پتر ہنس نہ بنڑدے بھانویں موتی چوگ چگایئے ہو
سپاں دے پتر متر نہ ہوندے بھانویں چلیاں دودھ پلایئے ہو
تتبے کدیں تربوز نہ ہوندے بھانویں توڑ مکے لے جایئے ہو

[برے دوست سے دوستی کرکے اپنے نسب کو دھبہ نہ لگائیں۔ کڑوے کنویں کبھی میٹھے نہیں ہوتے چاہے لاکھوں من گڑ ڈالیں۔ کوے کے بچے ہنس نہیں بن سکتے چاہے موتی ہی چگتے پھریں۔ سانپوں کے بچے وفادار نہیں ہوتے چاہے چلو میں دودھ پلائیں۔ حنظل (کڑوا پھل) کبھی میٹھا نہیں ہوتا چاہے آپ اسے مکے لے جائیں]

13 ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار مجلس وہ ہے جس میں قبلہ رو ہو کر بیٹھا جائے۔ (طبرانی)

14 مجالس امانت کے ساتھ ہیں (ابوداؤد)۔ مجلس میں جو بات سنیں اسکا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کے خلاف اور گناہ ہے (بجز دینی بات کے)۔

آداب گفتگو

انسانی شخصیت کا پہلا اندازہ چہرے کو دیکھنے سے ہوتا ہے اور دوسرا حتمی اندازہ اسکی گفتگو سے ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ,, اَلْمَرْءُ تَحْتَ لِسَانِہٖ ’’ (آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے)۔ پس انسان اپنی گفتگو ہی سے پہچان لیا جاتا ہے۔ آداب گفتگو درج ذیل ہیں۔

1 گفتگو ہمیشہ نرمی سے کرنے کی کوشش کریں۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ اللہ تعالٰی نے زبان میں اسی لئے کوئی ہڈی نہیں بنائی تا کہ یہ نرم رہے اور اس سے نرمی سے گفتگو کی جائے۔

ایک بزرگ کسی نوجوان سے سخت ناراض ہوئے اور اسے سخت سست کہنے لگے۔ اس نے جواب دیا' حضرت! آپ میری کوتاہی کے باوجود میرے ساتھ

نرمی فرمائیں۔ نہ میں فرعون سے زیادہ برا ہوں اور نہ ہی آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جبکہ پروردگار عالم نے حضرت موسی علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ نرمی کے ساتھ باتیں کرو۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا [تم ان سے نرم بات کرنا] (طٰہٰ:۴۴)

قرآن مجید کے الفاظ کو شمار کیا جائے تو درمیانی لفظ وَلْیَتَلَطَّفْ بنتا ہے۔ گویا قرآن مجید کا مرکزی پیغام یہی ہے کہ انسان ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے نرمی کا معاملہ کریں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر جو رحمتیں نازل کرتا ہے وہ سختی پر نہیں کرتا۔

(2) جو بات کہی جائے اچھی ہو۔ اس میں اپنا یا دوسرے کا نفع ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (لوگوں سے اچھی بات کہو)

ایسی بات نہ کی جائے جس میں طعن ہو یا جس میں دوسرے کی تحقیر ہو۔

(3) بات ہمیشہ انصاف پر مبنی اور درست ہونی چاہئے۔ اگر بیشتر لوگ اسکا خیال رکھیں تو آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الاحزاب: ۷۰،۷۱)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو سنوار دیگا اور گناہ معاف کر دیگا)

(4) اگر عورتوں کو نامحرم مردوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہو تو ادب یہی ہے کہ لہجے میں ایسی نزاکت نہ ہو کہ سننے والوں کے دل میں بدی کا خیال پیدا ہو۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (الاحزاب: ۳۲)

(اے نبی اکرم ﷺ کی بیبیو! دبی زبان میں بات نہ کیا کرو۔ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ ممکن ہے کہ تم سے کوئی توقعات وابستہ کرلے۔ پس بات کروتو معقول اور بے لاگ)

عورتوں کے لئے یہ حکم فقط اس وقت ہے جب غیر محرم مرد سے گفتگو کریں۔ اگر عورتیں عورتوں سے گفتگو کریں تو انہیں اسی طرح نرم مزاجی سے کرنی چاہئے جیسے مردوں کے لئے حکم ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کے نزدیک نرم' معقول اور دلجوئی کی باتیں کرنا صدقہ کے برابر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا اَذًى

(نیک بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری ہو) (البقرۃ: ۲۶۳)

6 گفتگو عموماً آہستگی اور مناسب آواز کے ساتھ کی جائے۔ بے موقع چیخ چیخ کر باتیں کرنا حماقت وجہالت کی دلیل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

(لقمان: ۱۹)

(اوراپنی آواز پست کر۔ کہ سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے)

7 فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے۔ قرآن مجید میں مومنین کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون: ۳)

(اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں)

انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے فرشتے اس پر گواہ ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق: ۱۸)

(آدمی کوئی لفظ نہیں بولتا مگر ایک نگران اس پر حاضر رہتا ہے)

حدیث پاک میں ہے۔ ''جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک بات کہے ورنہ چپ رہے''

دوسری حدیث میں ہے۔ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو مطلب نہ ہو ادھر توجہ نہ دے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں ہے جو دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہیں۔

8 اگر کبھی کسی جاہل سے سابقہ پڑ جائے تو اس سے بحث و تکرار کی بجائے سلامتی کی بات کر کے الگ ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (الفرقان: ۶۳)

(جب ناسمجھ ان کو خطاب کریں تو وہ جواب میں سلامتی کی بات کریں)

9 گفتگو ہمیشہ بامقصد ہونی چاہئے۔ فضول گفتگو کرنے والوں کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ وہ میری امت کے بدترین افراد ہیں۔ (الادب المفرد)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض اوقات ایک بات سے اللہ تعالیٰ کی تاقیامت خوشنودی حاصل ہوتی ہے یا پھر تاقیامت ناراضگی ہاتھ آتی ہے۔ (موطا امام مالک)

10 مخاطب کو جو بات اچھی طرح سمجھانی ہو اسکو صفائی و سہولت کے ساتھ کہا

جائے بلکہ اسے دہرا دینا بہتر ہوتا ہے تا کہ وہ اچھی طرح سمجھ جائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی بات کہتے تھے تو تین بار اسکا اعادہ فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترسیل پائی جاتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ

(رسول اللہ ﷺ کا کلام واضح ہوتا تھا۔ ہر سننے والا اسکو سمجھ لیتا تھا)

(11) گفتگو ہمیشہ مختصر ہونی چاہئے تا کہ مخاطب پر بوجھ نہ ہو۔ سلف صالحین کا قول ہے

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ وَلَمْ يَمِلَّ

(بہتر کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو مدلل ہو اور مخاطب کو ناگوار نہ ہو)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے سنا۔ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مختصر گفتگو کروں چونکہ اختصار بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

(12) بعض اوقات گفتگو سے فخر و مباہات کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض لوگ چبا چبا کر باتیں کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ اس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا موڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ موڑ کے گھاس کھاتا ہے"۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا "جو شخص انداز گفتگو میں اس لئے ادل بدل کرتا ہے کہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکا فدیہ و توبہ قبول نہ کرے گا۔ (ابوداؤد)

(13) جب کئی لوگ کلام کے مخاطب ہوں تو توجہ ایک ہی طرف نہ رکھنی چاہئے بلکہ

ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تا کہ دوسروں کو عدم التفات کی شکایت نہ ہو۔ (ادب المفرد)

⑭ یوپی (انڈیا) کے لوگ حسن کلام میں بہت مشہور ہیں۔ اشتعال انگیز کیفیت میں بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دو لڑکے آپس میں کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا' دیکھئے صاحب! مجھے غصہ مت دلایئے ورنہ میں آپ کی والدہ صاحبہ کی شان میں سخت بدتمیزی کروں گا۔ دوسرا بولا اجی صاحب! اگر آپ نے ایسا کیا تو میں آپ کے رخسار مبارک پر اس زور سے تھپڑ لگاؤں گا کہ وہ گلاب کا پھول نظر آئیگا۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد

چلنے پھرنے کے آداب

① راستہ میں چلتے وقت متانت اور خاکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان: ٦٣)

(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں)

② اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ

(زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک اللہ تعالیٰ مغرور اور فخر کرنے والوں

کو پسند نہیں کرتا) (لقمان: ۱۸)

دوسری جگہ فرمایا:

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (الاسراء: ۳۷)

(اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں تک اونچائی میں پہنچ سکتا ہے)

3 راستہ میں چلتے ہوئے ادھر ادھر تا نک جھانک کرنا اور غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا منع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ (النور: ۳۰)

(اور ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)

4 نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ راستہ میں اس رفتار سے چلتے گویا کوئی اونچی جگہ سے نیچے کی طرف آ رہا ہو۔ اس انداز کے ساتھ چلنے کو انگریزی میں (Brisk Walk) کہتے ہیں اور یہ انسانی صحت کیلئے چلنے کا بہترین انداز کہلاتا ہے۔

5 عورت کو بجنے والے زیور مثلاً پازیب یا جھانجر وغیرہ پہن کر چلنے میں زمین پر زور زور سے پاؤں نہیں رکھنا چاہئے۔ اسکی آواز سے سننے والوں کے خیالات میں انتشار پیدا ہوسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ (النور: ۳۱)

[اور (چلنے میں) پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو]

6 شریف عورت جب گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقعہ میں اپنا سارا

جسم چھپالے جس سے اس کی اصلی پوشاک اور زیب و زینت کی ساری چیزیں چھپ جائیں۔ چادر یا نقاب سے چہرہ اس طرح چھپ جائے کہ غیر مرد کو حسن و جمال سے آگاہی نہ ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ

[اے نبی اکرم ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ لٹکالیں اپنے اوپر چادریں۔ ایسا نہ ہو کہ پہچانی جائیں اور کوئی ستائے] (الاحزاب:۵۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ (النور:۳۱)

(آپ ایمان والیوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنا ستر چھپائیں۔ اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں مگر جو (فطرتاً) کھلا رہتا ہے۔ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیب و زینت نہ دکھائیں مگر اپنے شوہروں کو)

7. عورت کو کوئی تیز خوشبو لگا کر راستے میں نہیں چلنا چاہئے۔ اس سے میلان طبع پیدا ہوتا ہے اور عورت کی یہ نیت ظاہر ہوتی ہے کہ لوگ اسکی طرف توجہ کریں۔

8. راستہ میں مرد اور عورت کو مل جل کر نہیں چلنا چاہئے نہ ہی کسی مرد کو دو عورتوں کے درمیان میں چلنا چاہئے۔ عورتوں کو چاہئے کہ راستہ کے کناروں پر چلیں جبکہ مردوں کو چاہئے کہ راستہ کے درمیان میں چلیں۔ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو

راستہ کے درمیان میں چلنے سے منع فرمایا۔ (ابوداوٗد)

9 راستہ میں چلتے ہوئے ادب ووقار کا خیال رکھنا چاہئے حتیٰ کہ اگر معلوم ہو کہ نماز باجماعت شروع ہو چکی تو بھی دوڑ کر اسمیں شامل نہ ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسجد میں تکبیر ہو رہی ہو یا نماز کھڑی ہو چکی ہو تو دوڑ کر اس میں شامل نہ ہو بلکہ تم متانت اور وقار کے ساتھ آ کر جماعت میں ملو۔ (صحیح مسلم)

10 گلی کوچہ میں چلتے ہوئے طہارت و پاکیزگی کی نیت سے پاؤں میں جوتے پہنے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اکثر جوتے پہنا کرو کہ جوتے پہننے والا بھی ایک طرح کا سوار ہوتا ہے۔ (ابوداوٗد)

11 جوتے دونوں پاؤں میں پہنے جائیں یا دونوں ننگے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک میں جوتا ہو دوسرے میں نہ ہو۔ (ابوداوٗد)

البتہ گھر میں کوئی دو چار قدم اس طرح چل لے تو مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)
نبی اکرم ﷺ سے گھر میں ننگے پاؤں چلنا بھی ثابت ہے۔

آداب سفر

مثل مشہور ہے کہ سفر وسیلہ ظفر ہے۔ سفر کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

1 سفر کے وقت مسافر کو رخصت کرنا چاہئے اور خیر و عافیت کی کوئی دعا دینی چاہئے۔ جیسے فی امان اللہ۔

نبی اکرم ﷺ مجاہدین کو رخصت کرتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہُ دِیْنَکُمْ وَاَمَانَتَکُمْ وَ خَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ ۔ (ابوداؤد)

(میں تمہارے دین، امانت اور خاتمہ عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں)

② سفر کو روانہ ہوتے وقت چار رکعت (نفل نماز) پڑھ لینا چاہئے۔ (مجمع زوائد)

③ سفر صبح سویرے کرنا چاہئے اس سے انسان کا وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ پورا دن کام آجاتا ہے۔ (ابوداؤد)

ایک معتد بہ مسافت طے کر کے دوپہر کے وقت آرام کیا جا سکتا ہے۔

④ سفر تنہا نہیں کرنا چاہئے ہو سکے تو تین آدمی ساتھ ہوں (ترمذی۔ابوداؤد)

آجکل بس ٹرین جہاز وغیرہ کے سفر میں تو آدمی تنہا ہوتا ہی نہیں۔ دوسرے مسافروں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اگر ذاتی کار ہو یا پیدل سفر کرنا ہو تو رفیق سفر کا ہونا بہتر بلکہ ضروری ہے۔ اس سے انسان بہت سے خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور اسباب سفر کی حفاظت و نگرانی میں سہولت ہوتی ہے۔

⑤ جب سفر میں تین آدمی ساتھ ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (ابوداؤد)

⑥ بعض اوقات سفر رات کو کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ اسطرح مسافت خوب طے ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

⑦ سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو۔ جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا اسکے ساتھی کسی دوسرے عمل کے ذریعے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہاں اگر کوئی شہید ہو جائے تو وہ آگے بڑھ جائے گا۔ (بیہقی)

⑧ سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد چیزیں ہوں تو ان لوگوں کا خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ سفر نہ ہو۔ (مسلم)

⑨ سفر میں جن لوگوں کے پاس کتا یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ (رحمت) کے فرشتے

نہیں ہوتے۔(مسلم)

⑩ جب سرسبزی کے زمانے میں جانوروں پر سفر کرو تو جانوروں کو ان کا حق دے دو جو زمین میں ہے۔اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو رفتار میں تیزی کرو۔ (تاکہ جانور منزل پر پہنچ کر آرام کرے)۔(مسلم)

⑪ جانوروں کی پشت کو کرسی نہ بناؤ۔(یعنی ان پر سوار ہو کر کھڑے باتیں نہ کرو)۔(ابوداؤد)

⑫ جب منزل پر اتریں تو پہلے جانوروں کے کجاوے کھولو بعد میں نماز پڑھو۔ (ابوداؤد)

⑬ جانوروں کے گلوں میں تانت نہ ڈالو کہ اس سے گلا کٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہو۔ (بخاری و مسلم)

⑭ جب رات کو جنگل میں پڑاؤ ڈالو تو راستہ میں قیام کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ رات کو طرح طرح کے جانور اور کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں اور راستہ میں پھیل جاتے ہیں۔(مسلم)

⑮ جب کسی منزل پر اترو تو سب اکٹھے قیام کرو اور ایک ہی جگہ رہو، دور دور قیام نہ کرو۔(ابوداؤد)

⑯ نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر (کچھ دیر) لوگوں کی ملاقات کے لئے وہاں بیٹھتے (بخاری)۔مردوں کو چاہئے کہ اس سنت پر عمل کریں۔

⑰ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے بلکہ گھر والوں کو تیاری کا موقع دینا چاہئے۔

(18) اگر کوئی معزز اور محبوب شخص سفر سے آئے تو اس کا استقبال کرنا چاہیئے۔ (ابوداؤد)

(19) سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تمہیں نیند سے اور کھانے پینے سے روکتا ہے لہٰذا جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لئے گئے تھے تو جلد گھر واپس آ جاؤ۔

(بخاری و مسلم)

(20) اگر سفر سے گھر واپسی کا ارادہ ہو تو اہل خانہ اور دوست احباب کو مطلع کر دینا بہتر ہے۔

امریکہ کے ایک صاحب نے کئی سال بعد گھر واپس آنے کا پروگرام بنایا۔ شیطان نے اس کے ذہن میں یہ تجویز ڈالی کہ اہل خانہ کو اطلاع نہ دو اچانک پہنچ کر حیران کرو۔ چنانچہ انہوں نے جہاز کا ٹکٹ خریدا دفتر سے چھٹی لے کر پاکستان پہنچے۔ اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لئے تو کوئی نہیں تھا۔ ان صاحب نے ٹیکسی کرایہ پر لی۔ چونکہ گھر شہر سے چند میل دور تھا اہل خانہ کے لئے تحفے تحائف وغیرہ خرید کر لائے تھے تو سامان کافی زیادہ تھا۔ انہیں اکیلا دیکھ کر اور سامان کی زیادتی کو دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور کی نیت بدل گئی۔ چنانچہ ویرانے میں ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور نے اسکو قتل کر دیا اور لاش زمین میں دفن کر دی۔ جب کئی مہینے گزر گئے تو دفتر والوں نے اس کے دوست احباب سے رابطہ کیا کہ فلاں آدمی دفتر سے چھٹی لے کر گیا تھا مگر واپس نہیں آیا۔ دوستوں نے گھر فون کیا تو اہل خانہ نے کہا کہ وہ تو یہاں آیا ہی نہیں۔ تب ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ کاش کہ وہ اسلامی آداب سفر کا خیال کرتے تو اہل خانہ کو غم کی بجائے خوشی نصیب ہوتی۔

آداب خواب

انسان کی نیند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔فرمایا گیا۔

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ (روم:۲۳)

[اور (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے ایک تمہارا رات کو سونا ہے]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا وَّجَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا وَجَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا

(ہم نے نیند کو تمہارے لئے آرام اور رات کو پردہ اور دن کو کاروبار کا ذریعہ بنایا) (النبا:۹۔۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند کے لئے رات کا وقت اور کاروبار زندگی کے لئے دن کا وقت بنایا گیا ہے۔یہی فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔آرام طلب لوگ دن کو رات اور عیش پسند لوگ رات کو دن کی طرح گزارتے ہیں۔جب کہ قلب سلیم رکھنے والے لوگ رات کا کچھ حصہ آرام میں اور آخری حصہ یاد الٰہی میں گزارتے ہیں۔ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا۔

کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَھۡجَعُوۡنَ (الذریٰت:۱۷)

(تھے وہ رات کو تھوڑا سونے والے)

لیٹنے اور سونے کے متعلق چند آداب درج ذیل ہیں۔

(1) سونے کے وقت گھر کا دروازہ بند کر لینا چاہئے۔کھانے پینے کے برتن کو ڈھانک دینا چاہئے۔

② حدیث پاک میں ہے "بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے لہٰذا جب سونے لگو تو اسکو بجھا دیا کرو" (بخاری)۔ایک دوسری حدیث پاک میں ہے کہ جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو۔ (ابوداؤد)

③ نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سونا غفلت کی نشانی ہے۔نماز عشاء پڑھ کر فضول بات چیت نہیں کرنی چاہئے۔ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جلدی سو جانا چاہئے۔(ابوداؤد)

④ اگر کاروباری ضرورت ہو یا کوئی دوسرا اہم کام ہو تو نماز عشاء کے بعد جاگنے میں مضائقہ نہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں نماز عشاء کے بعد کسی ضروری کام میں مشورہ لینے کی غرض سے حاضر ہوئے اور نبی اکرم ﷺ نے بات چیت فرمائی۔(صحیح مسلم)

⑤ جب بستر پر جانے لگیں تو اسے جھاڑ لینا چاہئے۔ پھر داہنی کروٹ لیٹنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

⑥ حدیث پاک میں ہے کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

[اے اللہ! میں تیرے نام سے جیتا اور مرتا ہوں (ابوداؤد)]

سوتے وقت دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیں۔(بخاری)

⑦ حدیث پاک میں ہے کہ اس طرح چت نہ لیٹو کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہو۔ (مسلم)

اس میں بے پردگی کا احتمال ہے۔

⑧ حدیث پاک میں ہے کہ اوندھا ہو کر لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔(ترمذی)

اس میں طبی نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات آنتیں اپنی جگہ سے گر کر الجھ

سکتی ہیں۔

9 کسی ایسی چھت پر نہیں سونا چاہئے جس کی منڈیر یا اس پر کوئی اور رکاوٹ نہ ہو۔ (ترمذی)

ایسی حالت میں زمین پر گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

10 جن لوگوں کے لئے ممکن ہو وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کریں۔ اس سے تہجد کے وقت جاگنے میں آسانی ہوتی ہے۔

11 حدیث پاک میں ہے کہ جاگتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْر . (ابو دائود)

[اس اللہ ہی کے لئے حمد ہے جس نے مرنے کے بعد مجھے زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے]

12 حدیث پاک میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے لگے تو تین مرتبہ اپنی ناک جھاڑ دے یعنی صاف کرے۔ (بخاری)

13 حدیث پاک میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ (پانی کے) برتن میں نہ داخل کرے یہاں تک کہ اسکو تین مرتبہ دھو لے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اسکا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری)

14 حدیث پاک میں ہے کہ جب اپنا پسندیدہ خواب دیکھو تو اسی سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

15 جب برا خواب دیکھو تو تین بار بائیں طرف تھتکار دو اور کسی سے بیان نہ کرو اور کروٹ بدل دو۔ پھر تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھو۔ اس خواب کے شر سے پناہ مانگو یہ خواب نقصان نہ دے گا۔ (مسلم)

چھینک اور جمائی کے آداب

چھینک آنا یا جمائی لینا اگر چہ معمولی اعمال ہیں مگر شارع علیہ السلام نے اس کے بھی آداب سکھائے ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1) جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو چاہئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور سننے والا جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے۔ (بخاری)

چھینک بدن کے لئے ہلکے پھلکے ہونے' مسامات کے کھلنے اور بہت زیادہ نہ کھانے سے آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ چھینک سے دماغی کیفیت ٹھیک ہو جاتی ہے اور وہ شفاء ہے۔ اسی بناء پر شریعت نے چھینکنے والے کو حکم دیا کہ وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ کہے۔ جب سننے والا یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے تو پھر چھینکنے والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ کہے۔ (بخاری)

(2) چھینک سے بعض اوقات ناک سے بلغم وغیرہ نکل آتا ہے لہٰذا چھینکتے وقت منہ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لینا چاہئے۔ مزید برآں چھینک کی آواز کو پست رکھنا چاہئے نبی اکرم ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ (ابوداؤد)

(3) انسان کی بعض حالتیں وقار کے خلاف ہوتی ہیں۔ انکو دیکھ کر ناگواری ہوتی ہے مثلاً جمائی لینے میں انسان کا منہ کھل جاتا ہے، "آہا" یا "ہاہا" کی آواز نکلتی ہے، چہرے کی قدرتی ہیئت بدل کر ایک مضحکہ خیز شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جمائی شیطان کی جانب سے ہے جب کوئی اس حالت میں آآ کرتا ہے تو شیطان اسکے پیٹ کے اندر سے اس پر ہنستا ہے"۔

(ترمذی)

بعض اوقات شیطان مکھی مچھر وغیرہ کو اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جب تم کو جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دو کیونکہ (اسطرح) شیطان داخل ہو جاتا ہے''۔ (مسلم)

4 پہلا حکم تو یہی ہے کہ جمائی کو حتی المقدور روکیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے۔ (ترمذی) ''ہاہا'' وغیرہ کی آواز نکالنا خلاف ادب ہے۔

طہارت کے آداب

اسلام ایسے ملک میں ظاہر ہوا جہاں پانی نسبتاً کم تھا۔ پھر بھی اس نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تہذیب اور شائستگی کی باتوں میں سب سے اہم چیز طہارت ہے۔

◉ میاں بیوی کی ہمبستری کے بعد جب تک دونوں غسل نہ کرلیں نماز و تلاوت ادا نہیں کر سکتے۔ فرمایا:

وَ اِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (مائدہ:٦)

(اگر تم ناپاک ہو تو غسل کرو)

اگر کوئی احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہو تو اس پر بھی غسل فرض ہے۔

◉ کپڑوں کو شرعی طور پر پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا

وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ (مدثر:۴)

(اپنے کپڑوں کو پاک رکھ)

◉ پاکیزگی کا اسقدر اہتمام سکھایا کہ اگر پانی میسر نہ ہو یا بیماری کے سبب سے

پانی استعمال کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہوتو پاک مٹی سے تیمّم کرنا چاہئے۔

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (مائدہ:٦)

(تو پاک مٹی سے تیمّم کرو)

◉ ہر نماز ادا کرنے سے پہلے باوضو ہونا ضروری قرار دیا۔ وضو درحقیقت ان اعضاء کا دھونا ہے جو عموماً کام کے دوران کھلے رہتے ہیں مثلاً ہاتھ کہنیوں تک، چہرہ، اور پاؤں اور سر کے بال وغیرہ کا مسح ضروری قرار دیا گیا تاکہ یہ بھی الجھے اور پریشان نظر نہ آئیں۔

وَ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (مائدہ:٦)

(جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنا چہرہ اور بازو کہنیوں تک دھولو۔ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں دھولو)

یہ یقینی بات ہے کہ کوئی غیر مسلم دن میں پانچ مرتبہ اپنا چہرہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ نہیں دھوتا ہوگا۔ سبحان اللہ دین نے کتنی نظافت کا سبق دیا۔

◉ جمعہ کے دن نماز سے پہلے غسل کرنے کو سنت کا درجہ دیا تاکہ لوگ پاک صاف اور نہا دھو کر جماعت میں شریک ہوں۔ کسی کی گندگی اور بدبو سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ پورا مجمع طہارت و پاکیزگی کا نمونہ ہو۔

◉ قضائے حاجت اور پیشاب کے بعد استنجا کرنا (عضو خاص و مقام مخصوص سے گندگی دور کرنا) ضروری قرار دیا گیا۔

ان احکام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں طہارت اور صفائی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ہے

وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرۃ:٢٢٢)

[اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے]

طہارت سے متعلقہ آداب وسنن درج ذیل ہیں۔

① جب کوئی آدمی سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھولے اسکو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ سوتے میں اسکا ہاتھ کہاں کہاں پڑا رہے۔ (مسلم)

ہاتھوں کی صفائی پر اس لئے زور دیا گیا کہ برتن میں پانی نکالنے میں ناپاک ہاتھ پانی میں بھیگ کر بقیہ پانی کو ناپاک نہ کردے۔ خیال رکھنا چاہئے کہ جب تک ہاتھوں کی طہارت کا یقین نہ ہو اس وقت تک پانی کے برتن میں نہ ڈبوئے جائیں۔

② دانتوں کی صفائی کے لئے مسواک کرنا سنت ہے۔ حدیث پاک میں ہے ''میری امت پر اگر شاق نہ ہوتا ہو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''

ایک مرتبہ کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے زرد تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے دانت زرد کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مسواک کیا کرو۔ (مسند احمد)

یہ بات اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ دانتوں کی گندگی بہت ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔

③ عام راستوں اور درختوں کے سایہ میں قضائے حاجت نہیں کرنا چاہئے۔

(ابوداؤد)

اس میں حکمت یہ ہے کہ راستہ چلنے والے مسافروں کو نجاست وگندگی سے تکلیف نہ ہو۔ ''جب پیشاب کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش

کرو" (ابوداؤد)۔ مزید برآں ہوا کے رخ پر نہ بیٹھنا چاہئے۔

4 ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا جائز نہیں۔ ایسے پانی میں غسل جنابت بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس سے پانی لے کر اس طرح غسل کریں کہ پانی واپس دوسرے پانی میں نہ مل سکے۔

پانی میں پیشاب نہ کرو۔ (بخاری)

غسل کی جگہ پر پیشاب نہ کرو اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ (ترمذی)

5 کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرو۔ (ابوداؤد)

اس میں حکمت یہ ہے کہ کوئی موذی جانور نکل کر نقصان نہ پہنچائے۔ ڈھلوان میں نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب نہ کریں۔

6 کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ (ترمذی)

یہ تہذیب و وقار کے بھی خلاف ہے۔ اس میں جسم کے زیادہ برہنہ ہونے اور نظر آنے کے امکانات ہیں۔ مزید برآں کپڑوں پر چھینٹے پڑنے کا خوف بھی ہوتا ہے۔

7 پیشاب نرم زمین پر کرنا چاہئے کیونکہ سخت زمین سے پیشاب کے چھینٹے اڑ کر جسم پر پڑ سکتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شدت احتیاط کی وجہ سے شیشی میں پیشاب کیا کرتے تھے مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اتنی سختی کے قائل نہ تھے۔ (مسلم)

8 پیشاب پاخانہ کرتے وقت آپس میں باتیں نہ کرو۔ (مسند احمد)

9 جب قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو پیشاب کے مقام کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوؤ، نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرو۔ (مسلم)

⑩ بڑا استنجا تین ڈھیلوں سے کرو۔ (مسلم)

ڈھیلوں کے بعد پانی سے دھولو۔ (ابن ماجہ)

کوئلہ شیشہ گوبر اور ہڈیوں سے استنجا نہ کرو۔ (ترمذی)

⑪ استنجا کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو مٹی یا صابن وغیرہ سے دھولینا چاہئے۔

⑫ بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء میں داخل ہو۔ کیونکہ بسم اللہ جنات کی آنکھوں اور انسانوں کی شرم کی جگہوں کے درمیان آڑ ہے۔ (ترمذی)

⑬ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ بالخصوص جمعہ کے دن مسلمانوں پر غسل کرنا، کپڑے بدلنا عطر اور تیل لگانا مستحسن ہے۔ بعض فقہاء نے حدیث کے الفاظ کی وجہ سے اسے واجب قرار دیا ہے۔

⑭ عام حالت میں بھی انسان کو صاف ستھرا رہنا چاہئے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ کیا اس کے پاس بال ہموار کرنے کا سامان نہ تھا۔ ایک دوسرے شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اسکو پانی نہیں ملتا تھا جس سے وہ اپنے کپڑے کو دھولیتا۔

(ابوداؤد)

⑮ نبی اکرم ﷺ غسل اسی طرح کرتے تھے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھو لیتے۔ پھر دائیں ہاتھ سے پانی بہا کر بائیں ہاتھ سے کمر کے نیچے دونوں طرف کا جسم دھولیتے۔ پھر وضو کرتے لیکن پاؤں نہ دھوتے۔ (ناک اور منہ میں پانی ڈالنے میں مبالغہ فرماتے) پھر سر پر تین بار پانی بہا کر بالوں کی جڑوں کو ملتے۔ پھر سارے جسم پر پانی بہاتے اور آخر میں اپنے پاؤں دھولیتے۔

(مسلم: باب صفۃ غسل الجنابۃ)

جہاں پانی کی بہتات ہو وہاں صفائی کی نیت سے روزانہ نہالے تو مباح ہے۔

عورتوں کیلئے مخصوص آداب

① راستہ میں چلتے ہوئے مردوں سے علیحدہ ہو کر چلیں۔
② راستوں کے درمیان سے نہ گزریں بلکہ کناروں پر چلیں۔ (ابوداؤد)
③ بجنے والا زیور نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)
④ جو عورت شان (بڑائی) ظاہر کرنے کیلئے سونے کا زیور پہنے گی تو اسکو عذاب ہوگا۔ (ابوداؤد)
⑤ چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔ (ابوداؤد)
⑥ عورت کو اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتے رہنا چاہئے۔
⑦ عورت کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو مگر زیادہ نہ پھیلے۔ (ابوداؤد)
⑧ عورت ایسا باریک کپڑا نہ پہنے جس میں سے نظر آئے۔ (ابوداؤد)
⑨ اگر دوپٹہ باریک ہو تو اسکے نیچے موٹا کپڑا لگالیں۔ (ابوداؤد)
⑩ جو عورتیں مردوں کی شکل اختیار کریں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری)
⑪ کوئی (نامحرم) مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے۔ ہرگز کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ (بخاری)
⑫ عورت ایام حیض میں مقدس مقامات مثلاً مسجد میں نہیں جاسکتی۔ قرآن مجید کو نہیں چھوسکتی۔ تاہم وہ کسی اور چیز کو چھولے تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ کھانا پکا سکتی ہے۔ شرع شریف کے مطابق مرد ایسی حالت میں عورت سے جماع کے علاوہ سب کام لے سکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''میں اس حالت میں نبی اکرم ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی۔آپ ﷺ کے سر کو دھوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے کوئی چیز اٹھا کر لانے کے لئے کہا، میں نے ناپاکی کا عذر کیا تو فرمایا کہ ناپاکی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے''

13 اللہ تعالیٰ کو صفائی ستھرائی پسند ہے لہٰذا گھروں سے باہر جو جگہیں خالی پڑی ہیں ان کو صاف رکھو۔ (ترمذی)

عورتیں گھر کے اندر صفائی خود رکھیں اور باہر بچوں سے صفائی کرالیا کریں۔

متفرق آداب

1 اکڑ اکڑ کر اتراتے ہوئے نہ چلو۔

2 کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان نہ چلے۔ (ابوداؤد)

3 اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا (جاندار کی) تصویریں ہوں۔ (بخاری)

4 جب کسی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور اندر سے پوچھیں کون ہو، تو یہ نہ کہو کہ میں ہوں (بلکہ اپنا نام بتاؤ)۔ (بخاری)

5 چھپ کر کسی کی باتیں نہ سنو۔ (بخاری)

6 جب کسی کو خط لکھو تو شروع میں اپنا نام لکھ دو۔ (بخاری)

7 جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے اجازت لو پھر داخل ہو۔ (بخاری)

8 تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔ (بخاری)

⑨ اجازت لیتے وقت دروازہ کے سامنے کی بجائے دائیں بائیں کھڑے رہو۔ (ابوداؤد)

⑩ اپنی والدہ کے پاس جانا ہوتب بھی اجازت لے کر جاؤ۔ (مالک)

⑪ کسی کی چیز مذاق میں لے کر نہ چل دو۔ (ترمذی)

⑫ ننگی تلوار دوسرے شخص کے ہاتھ میں نہ دو۔ (ترمذی)

اسی طرح چھری چاقو وغیرہ کا حکم ہے۔ اگر ایسا کرنا پڑے تو پھل اپنے ہاتھ میں رکھو اور دستہ ان کو پکڑاؤ۔

⑬ زمانہ کو برامت کہو کیونکہ اس کی الٹ پھیر اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ (مسلم)

⑭ ہوا کو برامت کہو۔ (ترمذی)

⑮ بخار کو بھی برامت کہو۔ (مسلم)

⑯ جب رات کا وقت ہو جائے تو بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کر دو۔ کیونکہ شیطان بند دروازے نہیں کھولتا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر مشکیزوں کے منہ تسموں سے باندھ دو۔ برتنوں کو ڈھانپ دو۔

⑰ جب رات کو گلی کوچوں میں آمد ورفت بند ہو جائے تو ایسے وقت میں باہر کم نکلو۔ (شرح السنہ)

⑱ عام لوگوں کے سامنے انگڑائی اور ڈکار لینا تہذیب کے خلاف ہے۔

⑲ اگر پیٹ میں ہوا کا دباؤ ہو تو بیت الخلاء میں یا خلوت میں اس کو خارج کرنا چاہئے۔

باب نمبر 11

اختلاف کے آداب

کسی کے احوال واقوال اور افکار ونظریات سے الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف کہتے ہیں۔ جب کسی بات پر اختلاف بڑھتے بڑھتے تنازع کی شکل اختیار کرلے تو اسے مجادلہ کہتے ہیں۔ جب مخالفین کے درمیان اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو جائے اور تبصرہ وتنقید کی جنگ اتنی تیز ہو جائے کہ اظہار حق وصواب کی بجائے ہر فریق ایک دوسرے پر محض غلبہ حاصل کرنا چاہے اور افہام وتفہیم کی گنجائش نہ رہے تو ایسی حالت کو شقاق کہتے ہیں۔ دین اسلام نے دو مسلمان بھائیوں میں اختلاف رائے کی گنجائش تو رکھی ہے مگر مجادلہ اور شقاق کو ممنوع قرار دیا ہے۔

اختلاف رائے فطری عمل ہے۔قرآن مجید میں قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ:

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ (روم:۲۲)

(تمہارا زبان اور رنگوں میں اختلاف)

جس طرح زبان اور رنگ کا اختلاف مشیت خداوندی ہے اسی طرح

انسانوں کے عقل وحواس کا فرق بھی فطری عمل ہے۔ زبان و رنگ کا فرق اگر خالق کائنات کی نشانیوں میں سے ہے تو انسانی عقلوں کا تفاوت بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس طرح سب انسانوں کی شکلیں ایک جیسی ہوتیں تو زندگی بے رنگ ہوتی اسی طرح سب انسانوں کی عقلیں ایک جیسی ہوتیں تو زندگی بے ڈھنگ ہوتی۔ بھلا سب انسان سب چیزوں میں برابر ہوتے تو زندگی کی رونق و شادابی کیسے ہوتی؟

؎ گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ٥ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ (هود:۱۱۸)

(اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ وہ تو ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ مگر جن پر تمہارا رب رحم کرے اور اسی لئے اس نے لوگوں کو پیدا کیا)

پس جب انسانی عقل و استعداد میں فرق ہے تو کسی بھی معاملے میں لوگوں کی رائے ایک بھی ہوسکتی ہے اور مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ یہ رائے کا اختلاف اگر حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کے اصول و آداب کا التزام کیا جائے تو سب کچھ رحمت ہے۔

اختلاف کا تکوینی راز:

خالق کائنات کو اپنی صفت جلال و جمال کی جلوہ نمائی منظور تھی۔ اس لئے اس

نے انسانوں کو عقول واذہان سے مرکب فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اختلاف کرتے نظر آئیں گے۔ اس باہمی کشمکش میں خدائی قہر ومہر کا سامان مہیا ہوتا رہے گا۔ اگر اس دنیا میں یہ اختلاف رونما نہ ہوتا تو یہ محشرستان، عالم خموشاں بن جاتا اور یہاں رہنے والے یا صرف خدائی مہر کے مظہر ہوتے یا خدائی قہر کے۔ لیکن مالک قضاو قدر کو ایک ناتمام کمال کا مظاہرہ ناپسند تھا پس اس نے اختلاف انسان کے خمیر میں رکھ دیا۔

اختلاف مقبول کے فوائد:

اختلاف رائے اگر حدود وقیود میں رہے تو اسکے کچھ فوائد بھی ہیں۔

1. ایک تصویر کو مختلف نکتہ نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔
2. ایک مسئلہ کے متعدد حل سامنے آتے ہیں۔
3. کسی بھی مسئلے کو ہر زاویے سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔
4. ذہنی ریاضت، سوچ وبچار اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
5. آج کی سائنسی ترقی کا بنیادی راز ہی اختلاف رائے ہے۔ اگر اختلاف رائے کا اختیار نہ ہو تو سب تحقیقات جامد ہو جائیں۔

دین اسلام کی جامعیت اور حسن وکمال کی ایک وزنی دلیل یہی ہے کہ اس نے اختلاف مقبول کا دروازہ کھلا رکھا۔ تاہم اختلاف رائے کی حدود کو اس لئے متعین کر دیا تا کہ اختلاف 'خلاف' کی صورت اختیار کر کے فتنہ وفساد کا موجب نہ بن جائے۔ یاد رکھیں کہ اگر قدرت اپنے غیبی ہاتھ سے اختلافات کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کرتی رہے تو عالم فنا ہو جائے۔ عجیب بات یہ کہ اس علم اختلاف کی بقا کا سبب بھی یہی اختلاف ہے اور اس کا حد سے بڑھ جانا اسکی فنا کا سبب بھی ہے۔

؎ پھونک ڈالا ہے میری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی سامان بھی ہے

اگر بدنیتی اور بغض وعناد کی وجہ سے کسی کو اختلاف برائے اختلاف ہو تو اسکو خلاف کہتے ہیں۔ پس اختلاف جائز ہے مگر خلاف منع ہے

1 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسکی مذمت یوں فرمائی ہے کہ

اَلْخِلَافُ شَرٌّ (خلاف شر ہے)۔ (العواصم من القواصم: ص۸)

2 علامہ تقی الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ نے خواہ مخواہ کے اختلاف کے متعلق فرمایا ہے

اِنَّ الرَّحْمَةَ تَقْتَضِی عَدَمِ الْاِخْتِلَافِ

(تقاضائے رحمت یہ ہے کہ خواہ مخواہ کا اختلاف نہ کیا جائے)

3 حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ بِكَثْرَةِ سَوَالِهِمْ وَ اِخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِیَائِهِمْ

(بنی اسرائیل اپنے انبیاء کے بارے میں اختلاف اور کثرت سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے) (مسند احمد)

4 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو صحابی رضی اللہ عنہم کسی آیت کے سلسلہ میں اختلافی بحث کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنیں تو نبی علیہ السلام غضبناک ہو کر نکلے اور فرمایا:

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِیْ كِتَابِ

(تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کر کے ہی ہلاک ہوئے)

5 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَخْتَلِفُوا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتِلَاف فَهَلَكُوا

(اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف کر کے ہلاک ہو گئے)

یہ تمام باتیں اختلاف برائے اختلاف کے زمرے میں آتی ہیں۔ پس خلاف منع ہے جبکہ اختلاف رائے رحمت ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ (میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے)

اگر نیتیں ٹھیک ہوں، دلوں میں نور ہو اور نفسانیت سے دور ہو تو اختلاف رائے کے باوجود دل ملے رہتے ہیں۔ رائے کا اختلاف دلوں کا اختلاف نہیں بنتا۔ دل متحد و متفق رہتے ہیں۔ فریقین ایک دوسرے کی عظمت کے معترف رہتے ہیں۔ بلند مقاصد کے حصول کے لئے سب ایک ہوتے ہیں۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں انفرادی اور اجتماعی اختلاف کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

اختلاف صحابہ رض اور اس کے آداب

عہد صحابہ رض میں اجتماعی اختلاف رائے کی مثالیں:

1. نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی حقیقت وفات میں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ نبی علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ بعض دوسرے صحابہ رض بھی شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور یہ آیات پڑھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. (آل عمران: ۱۴۴)

یہ سن کر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرح صدر نصیب ہو گیا۔

2 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک اختلاف رائے یہ بھی پیش آیا کہ نبی علیہ السلام کو کہاں دفن کیا جائے؟ بعض کی رائے تھی کہ آپ ﷺ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ دوسروں کی رائے تھی کہ مسجد نبویؐ کے قریب دفن کیا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک سنائی

مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ قُبِضَ

(ہر نبی کی تدفین وہیں ہوئی جہاں انکی روح قبض ہوئی)

3 صحابہ رضی اللہ عنہم میں تیسرا بڑا اور اہم اختلاف یہ پیدا ہوا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے ہو؟ ایک خلیفہ ہو یا متعدد ہوں؟ یہ بہت نازک مرحلہ تھا تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت خوش اسلوبی سے اسے ختم کر دیا اور سب نے من حیث الجماعت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اتفاق برقرار رہا۔

4 خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایک بڑا اہم اختلاف مانعین زکوٰۃ سے جنگ کے بارے میں تھا۔ مگر انہوں نے اپنے حسن نیت اور اصول آداب اختلاف پر عمل کرتے رہنے کی وجہ سے اس مسئلے کو حل کر لیا۔ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو گیا۔ سب کے سب دفاع اسلام کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا اور کفر کا شیرازہ بکھر گیا۔

انفرادی اختلاف کی چند مثالیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صحبت نبوی ﷺ سے ایسا فیضان پایا کہ ان میں اخلاق محمدی ﷺ سر تا پا سرایت کر گئے۔ محبت و مودت اور ایثار و قربانی کے

مقدس جذبات ان میں اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید میں پروردگار عالم نے انہیں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحیم) کے الفاظ سے سرفراز فرمایا۔ مواخات اور بھائی چارے کی کئی ایسی مثالیں بھی دیکھنے میں آئیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علمی اختلاف رائے کے باوجود اتنا ادب واحترام تھا کہ آپس میں شیر وشکر نظر آتے تھے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثال نمبرا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علمی اختلافات:

- مفتوحہ اراضی کی تقسیم پر بھی اختلاف تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تقسیم کے قائل تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وقف کی تھی۔
- عطیات کی ترجیح میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عطیات میں مساوات کے قائل تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں ترجیح کے قائل تھے۔
- مرتد قیدی عورتوں کے بارے میں بھی اختلاف تھا۔ اپنے دور خلافت میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کے خلاف انہیں آزاد کر کے ان کے مردوں کے حوالے کر دیا۔ سوائے ان عورتوں کے جن کے مالک سے کوئی اولاد ہوگئی تھی۔ جیسے محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی ماں خولہ بنت جعفر حنفیہ جو انہی قیدیوں میں سے تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان الفت ومحبت:

کئی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود دونوں حضرات میں محبت اور تعلق خاطر بڑھتا ہی رہا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو کچھ

صحابہؓ نے کہا آپ نے ہم پر عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا ہے انکی سختی کو آپ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز محشر آپ سے اسکا سوال کر لیا تو آپ کیا جواب دیں گے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں کہوں گا، یا اللہ! میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے اچھے کو ان کا خلیفہ بنایا''۔

(طبقات ابن سعد ۳ \ ۱۹۹)

کسی نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کئی باتوں میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی بہتر ہیں۔حضرت عمرؓ پر یہ سن کر گریہ طاری ہو گیا۔کافی دیر تک روتے رہے۔پھر فرمایا، اللہ کی قسم! ابوبکرؓ کی ایک رات عمر اور آل عمر سے زیادہ بہتر ہے۔ (حیات الصحابہ 1\644)

یہ باہمی اختلاف کے باوجود الفت و محبت کی چند مثالیں ہیں۔رائیں اگرچہ مختلف ہیں مگر دل ملے ہوئے تھے۔ان عظیم ہستیوں کے دلوں کو آسمانی رسیوں نے جکڑ رکھا تھا اس لئے زمین کی مٹی ان پر اثرانداز نہ ہو سکی۔

مثال نمبر۲:

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلافات:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کتاب اللہ کے سب سے زیادہ پڑھنے والے اور سنت رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی تھے۔آپؓ کو نبی علیہ السلام کی اتنی رفاقت نصیب رہتی تھی کہ بعض صحابہؓ آپ کو اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں '' ہم ابن مسعودؓ اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سے سمجھتے تھے کیونکہ ان کی آمدورفت نبی علیہ السلام کے گھر میں بہت زیادہ تھی۔ (مسلم۔الاحکام 6 \ 63)

حضرت ابومسعود بدریؓ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آتے

ہوئے دیکھ کر کہا۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اس آنے والے سے کوئی بڑا کتاب وسنت کا عالم چھوڑا ہو۔ ہم جب غیر حاضر رہتے تو وہ موجود رہتے۔ جب ہمیں روک دیا جاتا تب بھی انہیں اجازت رہتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور تفقہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے اجتہادات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت فرمائی۔ تشریع اسلامی کے اکثر تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اکثر ان حضرات کا اجتہاد یکساں ہوتا تھا وگرنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے۔ جیسے دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو بھی تیسرے اور پھر چھٹے حصہ کی تقسیم کے مسئلے میں آپ نے کیا۔ اس علمی مناسبت کے باوجود کئی مسائل میں دونوں کا اختلاف تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے درمیان سو مسائل مختلف فیہ تھے۔

(اعلام الموقعین 2\218)

چند اختلافی مسائل درج ذیل ہیں:

1 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان میں کرلیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔

2 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تم مجھ پر حرام ہو) تو یہ قسم اور تاکید ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ طلاق کی ایک قسم ہے۔

3 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کسی مرد وعورت نے زنا کیا پھر شادی کرلی تو جب تک ایک ساتھ رہیں گے زناکار رہیں گے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی رائے تھی کہ پہلے زنا اور بعد کا عمل نکاح ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باہمی محبت:

حضرت ابن مسعودؓ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا، ''علم وتفقہ سے بھری ہوئی شخصیت'' ایک دوسرے موقع پر فرمایا ''علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہل قادسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک روز دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ اس نے عرض کیا، میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھا تھا یہ سن کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ رو پڑے حتیٰ کہ ان کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہیں جس طرح قرآن مجید پڑھایا تھا اسی طرح مجھے سناؤ۔ وہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں کوئی فتنہ باز داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ افسوس کہ آپ رضی اللہ عنہ کے انتقال سے وہ قلعہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔

اختلافات علمی کے باوجود محبت والفت اور ادب واحترام کے یہ غیر معمولی واقعات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان سے ہمیں اپنی زندگی کو مزین کرنے کی ضرورت ہے۔

مثال نمبر ۳:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اختلاف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علمی مقام کسی ذی علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وراثت کے مسئلے میں دونوں میں اختلاف رائے موجود تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ دادا کی موجودگی میں باپ ہی کی طرح بھائی بہنوں کی وراثت ساقط ہو جاتی ہے۔

حضرت زید ﷛ کی رائے تھی کہ بھائی دادا کی موجودگی میں بھی وراثت پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ کو اس مسئلے پر اپنی صحت اجتہاد کا اتنا یقین تھا کہ ایک دن انہوں نے فرمایا زید ﷛ خدا سے ڈرتے نہیں کہ انہوں نے لڑکے کے لڑکے کو تو لڑکا بنا دیا مگر باپ کے باپ کو باپ نہیں بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ اور حضرت زید ﷛ میں باہمی محبت:

اس قدر شدید علمی اختلاف کے باوجود دونوں حضرات میں ادب واحترام کے عجیب مناظر دیکھے گئے۔ ایک بار حضرت زید ﷛ کہیں سے تشریف لا رہے تھے تو ابن عباس ﷛ نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فرزند عم رسول ﷺ! آپ رکاب چھوڑ دیں اور ایسا نہ کریں۔ حضرت ابن عباس ﷛ نے کہا کہ ہمیں یہی سکھایا گیا کہ علماء اور بڑوں کی تعظیم کریں۔ اس پر زید ﷛ نے کہا آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ حضرت ابن عباس ﷛ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔ (کنز العمال 37\7)

جب حضرت زید ﷛ کا انتقال ہوا تو ابن عباس ﷛ نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا "علم اس طرح رخصت ہوتا ہے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے۔ آج علم کا بہت زیادہ حصہ دفن ہو گیا۔ (سنن بیہقی 211\6)

مثال نمبر ۴:

حضرت علی ﷛ اور حضرت طلحہ ﷛ کا اختلاف:

حضرت علی ﷛ اور حضرت طلحہ ﷛ میں قصاص عثمان ﷛ کے مسئلے میں

اختلاف تھا۔ یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لڑے۔

دونوں حضرات کی باہمی محبت:

دونوں حضرات میں الفت ومحبت اسقدر تھی کہ جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمران سے ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر کی خیریت دریافت کی اور فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالی مجھے اور تمہارے باپ کو ان میں سے بنائے جن کے بارے میں کہا گیا۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ

[اوران کے سینوں میں جو کینے تھے وہ سب ہم نے کھینچ لئے وہ تختوں پر روبرو بھائی بنے بیٹھے ہیں] (الحجر:۴۸)

کچھ تابعین حضرات شریک محفل تھے انہیں تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگے، اللہ معاف کرے یہ کل انہی سے جنگ کررہے تھے اور پھر جنت میں ان کے بھائی ہو جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ خفا ہوئے اور فرمایا: ''اٹھ جاؤ اللہ کی زمین سے دوری اور بربادی رکھنے والو! میں اور طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں اس طرح قریب نہ ہوں گے تو کون ہوگا؟'' (طبقات ابن سعد 3\244)

مثال نمبر۵:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر شدید اختلاف ہوا۔ حتیٰ کہ بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہوئی۔

دونوں حضرات کا باہمی تعلق:

ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل کے مخالفین کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، نہیں وہ شرک سے دور ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا وہ منافق ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، منافق اللہ کو کم یاد کرتے ہیں۔ سائل نے پوچھا، پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ''وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے اختلاف کیا''۔ (سنن بیہقی 8\177)

ابو صالح نے کہا کہ ایک روز ضرار بن ضمرہ کنانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم سے علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین مجھے معاف رکھیں۔ آپ نے اصرار کیا تو انہوں نے کہا:

''بخدا! وہ ایک بلند نظر دور اندیش اور طاقتور انسان تھے۔ ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا۔ ان کے اطراف و جوانب سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر رات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے۔ واللہ وہ بہت گریہ وزاری کرنے والے تھے ہر وقت سوچ میں غرق رہتے تھے۔ اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے تھے۔ معمولی لباس اور معمولی کھانا پسند کرتے تھے۔ بخدا! وہ ہمیں اپنے جیسے آدمی نظر آتے۔ جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے۔ لیکن اتنا قریب ہونے کے باوجود انکا رعب اتنا ہوتا تھا کہ ہم ان سے بات نہ کر سکتے تھے۔ وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے۔ وہ دین داروں کی تعظیم کرتے۔ فقراء و مساکین سے محبت کرتے تھے۔ کوئی طاقتور آدمی ان سے غلط کام کروانے کی سوچ بھی نہیں سکتا

تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں۔ جیسے انہیں کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غمزدہ اور ستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اللہ تعالیٰ کے حضور وہ گریہ کرتے تھے اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے، تم میرے پاس آرہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو۔ افسوس! افسوس! جاؤ کسی اور کو دھوکا دو۔ میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اے دنیا تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل و حقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے۔ آہ! آہ! آہ! توشہ راہ کتنا قلیل سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشتناک ہے۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جسے وہ آستین سے پونچھتے رہے۔ حاضرین مجلس کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ابوالحسن، ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ (الحلیہ از ابونعیم 1\ 84)

دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور تابعین میں اسباب اختلاف:

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ تاہم یہ اختلاف ضعف عقیدہ یا دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ ان سب کا مقصود تلاش حق اور انطباق آیات و احکام ہی تھا۔ لہٰذا یہ سارے اختلافات کتاب اللہ اور سنت رسول

اللہ ﷺ کی تفسیر سمجھنے میں لغوی یا اجتہادی وجہ سے پیش آئے۔ ان اسباب کے پیچھے بدنیتی کا دخل ہرگز نہیں تھا۔ گو کہ منافقین ان میں اختلافات کے بیج اگانے کیلئے ہردم کوشاں رہتے تھے۔ اس نیک نیتی کا نتیجہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتے ہی ان کے اختلافات ختم ہو جاتے۔ اگر انہیں کوئی نص مل جاتی جو بعض کو معلوم ہوتی تب بھی یہ اختلافات دم توڑ دیتے۔ فطرت سلیمہ جہاں حق بات پالیتی ہے بے چون وچرا اسے قبول کرلیتی ہے۔

پس صحابہ وتابعین کے دور میں علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ محبت وہم آہنگی کی فضا برقرار رہی۔ صدق وصفا کی بارشیں ہوا وہوس کا میل دھوتی رہیں اور دل ایک دوسرے سے مربوط رہے۔

اختلاف ائمہ کرام اور اس کے آداب

اسباب اختلاف کا عہد بہ عہد منتقل ہونا فطری امر ہے۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بلاد اسلامیہ میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں کچھ ایسے حادثات رونما ہوئے جنہوں نے دائرہ اسلام میں نئی نئی چیزوں کو داخل کر دیا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہر شہر اور ہر ملک کے مسلمان وضع و تلبیس کے خوف سے صرف اسی سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے جو انہیں پہنچی اس سے فقہ کے مختلف مکاتب فکر نے جنم لیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی ہے کہ اس نے مجتہدین کے فقہی اختلافات کو دائرہ جواز ہی میں رکھا۔ ائمہ فقہاء نیک نیتی سے حکم صحیح تک پہنچنے کے لئے اپنی ساری ذہنی وعقلی صلاحیتیں استعمال کرتے تھے۔ ہر ملک کے اہل علم حضرات ان اصحاب فقہ وافتاء کی اقتداء کرتے رہے۔ ضرورت

کے تحت قاضی حضرات کسی ایک قول یا مسلک پر اصرار کی بجائے دوسرے فقہی مسلک پر بھی عمل کر لیتے۔ ایک ہی چشمہ سے سب سیراب ہوتے۔

دلائل میں اگرچہ اختلاف ہوتا تاہم اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کر دیتے۔

هذا احوط۔ هذا احسن . هذا ما ينبغى . وغیرہ وغیرہ

اختلاف کی چند مثالیں:

1. کچھ لوگ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ کچھ جہر پڑھتے تھے کچھ خفی پڑھتے تھے۔
2. کچھ لوگ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔
3. نکسیر پھوٹنے اور قے آنے سے بعض کے نزدیک وضو کی تجدید ضروری تھی بعض کے نزدیک نہیں۔
4. عورت کو صرف چھو لینا بعض کے نزدیک ناقص وضو تھا بعض کے نزدیک نہیں۔
5. براہ راست آگ پر بھنے ہوئے اونٹ کا گوشت کھانے سے بعض کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا بعض کے نزدیک نہیں۔

ائمہ کرام میں محبت واحترام کی مثالیں:

1. امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت میں ائمہ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ وہ آہستہ یا زور سے بسم اللہ پڑھنے کا التزام نہیں کرتے تھے۔
2. امام رشید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پچھنے لگوانے کے بعد امامت کروائی۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اسکا اعادہ بھی نہ کیا۔ حالانکہ ان کے نزدیک پچھنے لگوانا ناقض وضو تھا۔

3 امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ امام کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو نہیں کیا۔ بتایئے کیا اس کے پیچھے نماز ہوگئی؟ آپ نے جواب دیا کہ میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہکے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں۔

4 امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار نماز فجر امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس ادا کی اور دعائے قنوت نہ پڑھی۔ جبکہ ان کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ جب اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اس کی بارگاہ میں ہوں کیسے اس کی مخالفت کرسکتا ہوں

(حجتہ اللہ البالغہ 335)

5 امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث وافتاء کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا امام ملک جیسی گرانقدر کتاب لکھی۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے اس کتاب کے چند نسخے بنوا کے دوسرے شہروں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ لوگ ایک ہی فقہ پر عمل کریں۔ اور اختلافات ختم ہوجائیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ایسا نہ کریں لوگوں تک بہت سی احادیث اور روایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ اپنا چکے ہیں۔ جو انہوں نے اختیار کرلیا اس پر انہیں چھوڑ دیں۔ آپ کے اس اقدام سے مزید اختلافات بڑھیں گے۔ خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: "ابو عبداللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ اور توفیق دے۔

حضرت لیث بن سعد کا مکتوب:

آداب اختلاف کی وجہ کی ایک اور بہترین اور عمدہ مثال وہ مکتوب ہے جسے

فقیہ مصر امام لیث بن سعد رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نام بھیجا۔ امام لیث بن سعد امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا کرتے تھے۔ انہوں نے کمال ادب کے ساتھ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تمام اختلافی مسائل کی تفصیل لکھی اور امام مالک کے متعلق اپنے جذبات کو بیان کرتے ہوئے لکھا

''اللہ تعالیٰ آپ کو خیر وصلاح عطا فرمائے۔ زیادہ دنوں تک باقی رکھے کیونکہ اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ آپ کے چلے جانے سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہے۔ دوری کے باوجود آپ کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہوں۔ آپ کے بارے میں یہ میری رائے اور قدر ومنزلت ہے''

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ:

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے فقہی مسائل میں کافی اختلاف تھا۔ اسکے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علمی صلاحیتوں کے معترف رہتے تھے۔ قاضی عیاض المدارک میں فرماتے ہیں۔

''امام لیث بن سعد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام ملک رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے گفتگو کر کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں۔ اس کے بعد میں نے ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق کتنی اچھی بات کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں اس سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا''

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ:

1 امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہؓ نے ایک دن پوچھا، والد محترم! شافعی کون ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا، بیٹا! شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔وہ اس دنیا کے لئے آفتاب اور انسانوں کے لیے خیر و برکت تھے۔کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی عوض ہوسکتا ہے؟

2 محدث یحیٰی بن معین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک ملاقات میں صالح بن امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کو کہا، ,,آپ کے والد شرماتے نہیں۔ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ شافعی رحمتہ اللہ علیہ سواری پر ہیں اور یہ ان کی رکاب پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا "یحیٰی بن معین رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہو تو کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف کی رکاب تم تھام لو۔(الانتقاء)

3 امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ شافعی یہ کہتے ہیں۔کیونکہ وہ قریش کے امام و عالم تھے۔(آداب الشافعی 86)

4 داؤد بن علی اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اسحٰق بن راہویہ رحمتہ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی۔انہوں نے کہا' آیئے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔اس کے بعد انہوں نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو دکھایا۔

5 امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی فضیلت اور علمی

شہرت کا اعتراف تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا تم لوگ حدیث ورجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو۔ جب کوئی صحیح حدیث ملے تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوفی ہو بصری ہو یا شامی ہو۔ جو بھی صحیح حدیث ہوگی میں اسے اختیار کرلونگا۔

6 امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جب امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے تو تعظیماً ان کا نام نہ لیتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے:

حَدَّثَنَا الثِقَةُ مِنْ اَصْحَابِنَا

(ہمارے احباب میں سے ثقہ نے یہ حدیث بیان کی)

انبانا الثقة (ہمیں ایک ثقہ آدمی نے خبر دی)

اخبرنا الثقة (ہمیں ایک ثقہ آدمی نے بیان کیا)

(مناقب الامام احمد بن جوزی 166)

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں اقوال علماء:

1. امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ حدیث میں امیر المومنین کہلاتے تھے مگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے۔ ان کے مقام ومرتبہ کے مداح تھے۔ جب انہیں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا "آپ کے ساتھ ہی فقہ بھی کوفہ سے رخصت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے"

2. ایک شخص نے حضرت یحی بن سعید القطان سے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ "بخدا! ہم ان سے اچھی باتوں کو لیتے رہتے تھے"

3. امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ

علیہ کی بہت سی روایتیں ہیں۔ایک روز کسی شخص نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق کچھ اشارہ کرنا چاہا تو انہوں نے فرمایا۔ ''خاموش رہو اگر تم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھو گے تو عقل ونجابت کو دیکھو گے''۔

4. امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''ایک روز امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے عثمان رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ ایک معتدل آدمی تھے۔ پھر ابن ابی شبرمہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ معتدل شخص تھے۔اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ''اگر وہ مسجد کے ان ستونوں کے بارے میں تم سے قیاس کی باتیں کرتے ہوئے کہیں کہ یہ لکڑی ہے تو تم سمجھو گے کہ لکڑی ہی ہے''۔اس سے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قیاس اور عقل وذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

5. امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی یہ مقولہ تو بہت مشہور ہے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔(الانتقاء:۱۳۶)

6. فضل بن موسیٰ سینائی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں تنقیدی باتیں کرتے رہتے ہیں۔تو فرمایا، جس علم سے یہ لوگ ناواقف وناآشنا تھے ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے وہ سب پیش کر دیا اور ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔اس لئے لوگ ناسمجھی کی وجہ سے یا حسد کی وجہ سے ان پر تنقید کرنے لگ گئے۔

سلف صالحین کا محتاط رویہ:

سلف صالحین علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔ایک دوسرے کی علمی کاوشوں کے معترف رہتے تھے۔طنز وتعریض سے اجتناب کرتے اور دنیا طلبی کی بجائے خدا طلبی میں اپنے اوقات کو خرچ کرتے

تھے۔ سائل کا جواب دینے میں انکا رویہ بہت محتاط تھا۔ لا ادری کہہ کر خوش ہوتے تھے۔ شہرت و ناموری سے گھبرایا کرتے تھے۔ یہ گرانقدر آداب اسی لئے ظاہر ہوتے تھے کہ ان پر نفسانیت و انانیت کی بجائے عاجزی و انکساری کا غلبہ تھا۔ یہی آداب عالیہ اور اخلاق فاضلہ ان کا سرمایہ تھا جن سے آج تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد کی حالت:

چوتھی صدی ہجری کے بدلتے ہوئے حالات کا ذکر کرتے ہوئے حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"خلفائے راشدین حاکم وقت بھی تھے اور وارث علم رسول اللہ ﷺ بھی تھے۔ جب معاملہ قرون ثلاثہ سے آگے پہنچا تو نظام حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو دنیاوی معاملات میں تو ماہر تھے مگر دینی علوم کے حامل نہ تھے۔ چنانچہ انہیں اپنے قاضیوں سے دینی امور میں مدد لینا پڑتی۔ اس دور کے لوگوں نے دیکھا کہ خلفاء و امراء کس طرح علمائے دین کی عزت و تکریم کر رہے تھے تو بعض لوگ دنیا طلبی کی غرض سے طالب علم بن گئے۔ افتاء کا علم حاصل کر کے اپنے آپ کو منصب کے لئے پیش کرنے لگے۔ ان میں سے کچھ محروم رہے اور کچھ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ حکمرانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر ذلت طلب کے مرتکب ہوئے۔ پہلے یہی فقہاء مطلوب تھے اب طالب بن گئے۔ پہلے سلاطین سے دور رہ کر باعزت تھے اب خود تقرب حاصل کر کے ذلت برداشت کرنے لگے سوائے ان علمائے کرام کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیوی آلائشوں سے بچائے رکھا"۔

وقت کے ساتھ ساتھ ایسے امراء و رؤسا پیدا ہوئے جو مباحثوں اور مناظروں میں دلچسپی لینے لگے۔ بس ہر طرف مناظروں کے فنون اور طریقوں پر کتابیں مرتب ہونے لگیں۔ معمولی صلاحیت کے لوگ مسائل میں غور و خوض کرنے لگے اور تعصب و تشدد اور تباہ کن جنگ و جدال کی راہیں ہموار ہو گئیں منصب قضاء پر بیٹھنے والے حضرات نے سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آسانی اور سہولت کی راہیں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1. کوئی سائل پوچھتا کہ عورت کو یا عضو تناسل کو چھونے سے وضو کا کیا حکم ہے تو جواب ملتا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
2. گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو جواب دیتے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے۔
3. تعزیرات میں تجاوز حدود کے سوال کا جواب ملتا کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اسکی اجازت دی ہے۔
4. وقف کی جائیدادیں جب بے کار پڑی ہوں اور اسکا متولی اسے آباد اور مفید نہ بنا سکے تو اس کے بیچنے کا فتویٰ دیا جاتا کہ مسلک امام احمد رحمتہ اللہ علیہ میں جائز ہے پس اوقاف مسلمین سال بہ سال ملکیت خاص میں تبدیل ہونے لگے۔

تقلید کی ضرورت واہمیت:

مشکوٰۃ نبوت اور خیر القرون سے جیسے جیسے بُعد ہوتا گیا زندگیوں میں تقویٰ و طہارت اور خشیت الٰہی میں بھی کمی آتی گئی۔ شریعت کے مسلّمہ قواعد سے غفلت برتی جانے لگی۔ جب دین کی نصرت وحمایت کرنے والی شخصیتیں ہی پستی کا شکار

ہونے لگیں تو کم فہم لوگ دین کو ہلکا سمجھنے لگے۔ افتاء کا کام وہ لوگ سرانجام دینے لگے جو سلاطین اور امراء کے زیر اثر پروان چڑھے۔ اور نفسانی ہواؤں کے طوفان میں نصوص کی گردنیں مروڑنے لگے۔ کوئی سختی کو روا رکھنے لگا اور کوئی آسانی کی راہیں تلاش کرنے لگا۔

صلحائے امت نے جب افراط و تفریط کا معاملہ دیکھا تو انہیں اس مرض کا یہی علاج سمجھ میں آیا کہ لوگوں کو تقلید کی رسی سے جکڑ دیا جائے۔ اختلافی مسائل میں متقدمین کے اقوال و آراء کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس جمہور مسلمین نے ائمہ اربعہ کی تقلید پر اعتماد کر لیا۔ امت مسلمہ کے عروج و زوال کی داستان میں یہ حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی کہ تقلید ائمہ کی وجہ سے دین کی شکل مسخ ہونے سے بچ گئی۔ ورنہ ہر دور میں نام نہاد مجتہد اپنی نفسانی خرابیوں اور بے زہد زندگیوں کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا فتاوی جاری کرتے یا پھر سلاطین وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے "دین الہی" ترویج پاتے۔

ماضی قریب کے حالات و واقعات:

مسلمان امراء و سلاطین کے دلوں میں جب دنیا کی محبت غالب آ گئی اور دار آخرت کی یاد دلوں سے نکلتی گئی تو ہر ایک پر تعیش زندگی گزارنے کا عادی بن گیا۔ اس جلتی پر تیل کا کام ان درباری علماء نے کیا جو دنیا طلبی اور جاہ طلبی کے مہلک مرض میں گرفتار تھے اور ان کا مقصود نام و نمود اور مال و جاہ تھا۔

پاک و ہند کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو شہنشاہ اکبر نے ابوالفضل اور فیضی جیسے نام نہاد علماء کے ذریعے تعظیمی سجدہ جائز ہونے کے فتوے حاصل کئے۔ دین الہی کے نام پر ایک نئے دین کی بنیاد رکھی۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں حق پرست علماء کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ظلم و ستم اور جبر و استبداد

کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ طاقت کے نشے میں سرشار حکام وقت نے بعض کو پابند سلاسل کر دیا اور بعض کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ احیائے دین کی کوششیں رنگ لائیں اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے دین اکبری کے تار پود بکھیر دیئے۔ بدعات کا قلع قمع کیا اور متروکہ سنتوں کو پھر سے تازہ کیا۔ رشد و ہدایت کی ایسی ہوا چلی کہ جہانگیر جیسے دیندار آدمی نے جگہ سنبھالی اور اسکا نتیجہ یادگار اسلاف اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے علمائے حق کی ایک جماعت کو فتاویٰ کی تدوین کا حکم دیا۔ پس امت مسلمہ کو فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں ایک تحفہ نصیب ہوا۔

علمائے حق کا یہ قافلہ صدق وصفا کے راستے پر گامزن رہا۔ انہیں کبھی تو دین دشمن دنیاداروں سے لڑنا پڑا اور کبھی جاہل صوفیوں کی بیہودہ حرکتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم دیئے سے دیا جلتا رہا اور علم کا نور سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا رہا۔ جہاں نفسانیت کی بیشمار مثالیں سامنے آئیں وہاں خلوص وللہیت کے مناظر بھی دیکھے گئے۔

قاضی ضیاء الدین سنامی رحمتہ اللہ علیہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ آپ حضرت خواجہ صاحب سے سماع کے متعلق ہمیشہ سختی سے بازپرس کرتے مگر خواجہ صاحب مسلسل معذرت کے ساتھ پیش آتے اور قاضی صحب کی تعظیم وتکریم فرماتے۔ کچھ عرصے بعد قاضی صاحب بیمار ہو گئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ قاضی صاحب کی عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر کسی خادم کے ذریعے پیغام بھیجا کہ نظام الدین عیادت کے لیے حاضر ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے جواب

بھجوایا کہ یہ میرا آخری وقت ہے اس وقت میں کسی بدعتی کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ جب خادم نے آ کر پیغام پہنچایا تو خواجہ صاحب نے کہا جاؤ اور قاضی صاحب سے کہہ دو کہ میں تمام بدعات سے توبہ تائب ہو کر آیا ہوں۔ جب قاضی صاحب کو یہ پیغام ملا تو فرط مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور خادم سے فرمایا کہ میرا عمامہ راستے میں بچھا دو اور خواجہ صاحب سے کہو کہ اپنے جوتوں سمیت چل کر اندر تشریف لائیں۔

اس دور میں عوام الناس کی زندگیاں بہت سادہ تھیں مگر رنگین مزاج امراء و سلاطین نے قوم کی کشتی کو بیچ دریا ڈبو دیا۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب انگریز نے پاک و ہند پر قبضہ کر لیا۔ اب علمائے ربانی پر حاکم وقت نے جبر و استبداد کی انتہا کر دی جس کی داستانیں رنگون اور مالٹا کی جیلوں کی دیواریں زبان حال سے اب بھی سنا رہی ہیں۔ قربانیاں آخر رنگ لائیں اور پابند سلاسل ہونے کے باوجود تفسیریں لکھنے والے حضرات کی دعائیں قبولیت پا گئیں۔ رب کائنات نے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

ماوراء النہر کی مسلمان ریاستوں کو ستر سال کمیونزم کی چکی میں پسنے کے بعد آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔ عرب ممالک میں تیل و معدنی ذخائر کی پیداوار نے دنیا کو حیران کر دیا۔ صفحہ ہستی پر 80 کے قریب مسلمان ممالک موجود ہونے کے باوجود آج دنیا میں مسلمانوں کی آواز کوئی وزن نہیں رکھتی۔ دنیا میں نام کے مسلمان تو کروڑوں ہیں مگر کام کے مسلمان ہزاروں بھی مشکل سے ہوں گے۔ یورپ نے سائنسی میدان میں خوب ترقی کی اور مادی وسائل کی وجہ سے اپنا اثر و رسوخ پوری دنیا پر جما لیا۔ آج کے مسلمانوں کی حالت زار اگر آنسوؤں کی روشنائی سے لکھی جائے تو بے محل نہیں ہے۔

دور حاضر میں امت مسلمہ کی حالت زار:

آج امت مسلمہ داخلی انتشار و اندرونی خلفشار پیدا کرنے والے فکری بحران کا شکار ہے۔ گوکہ علم و دانش کی کوئی کمی نہیں مگر مفاد پرستی اور نفس پرستی نے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ علم تو پالیا مگر آداب علم سے غافل رہے۔ وسیلہ تو مل گیا مگر مقصد ہاتھ سے جاتا رہا۔ امر مباح و مندوب پر اختلافات نے امت سے بہت ساری چیزیں چھین لیں۔ مسلمانوں کو "فن اختلاف" میں تو مہارت حاصل ہوگئی مگر ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' کے اصول و آداب سے عملاً نا آشنا رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر میدان میں مسلمان اتنے زوال پذیر ہوئے کہ ہوا ہی اکھڑ گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَاتَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال:۴۶)

(اور آپس میں نہ جھگڑو پس تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)

آج مسلمان مادی وسائل و اسباب کے اعتبار سے خود کفیل ہیں مگر افکار و نظریات کے لحاظ سے کمزور قوم بن چکے ہیں۔ اپنی اعلیٰ اقدار و روایات سے عملی طور پر دستبردار ہو کر ''پدرم سلطان بود'' کے زبانی دعووں سے اپنا دل بہلا رہے ہیں۔

دور حاضر کا اختلاف

دور حاضر میں مسلم معاشرہ کئی حصوں میں منقسم ہو چکا ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

1 دنیا دار طبقہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو نام کے مسلمان ہیں مگر عملی زندگی میں من مرضی کے مالک ہیں۔ نفسانیت کی سواری پر بیٹھ کر اندھا دھند فرنگی اقوام کی تقلید کر رہے ہیں۔ ان کے لباس، بود باش، گفتار و کردار ہر چیز پر فرنگیت غالب آ چکی ہے۔ راگ تو یہ الاپتے ہیں دین و دنیا برابر کا مگر عملاً یہ دنیا کی محبت میں مستغرق ہیں۔ دیندار لوگوں سے اب انہیں وحشت اور دینی وضع قطع سے انہیں نفرت ہے۔ گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو انہیں اس بچے کو کلمہ یاد کروانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی انگریزی کے الفاظ سکھانے کی فکر ہوتی ہے۔ ڈیڈی ممی انکل وغیرہ کے نام یاد کروا کر خوش ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی مسلمان فرض و واجب کی ادائیگی سے خوش ہو۔ بچپن سے ہی بچے کی ذہن سازی کرتے ہیں کہ اسے بڑا ہو کر دنیا کے بڑے عہدے حاصل کرنے ہیں۔ عصری علوم حاصل کرنے کے لیے اگر بچہ محنت نہ کرے تو اس پر سختی کرتے ہیں۔ جبکہ دین کا معاملہ ہوتا ہے تو بچے کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ بچہ نماز روزہ تو چلو کرے مگر دینی وضع قطع اپنا کر مولوی نہ بنے۔ گھروں کے ماحول میں آزاد خیالی اور عریانی غالب ہوتی ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عام زندگی میں لہو ولعب اور شادی بیاہ کی تقریبات میں نمود و نمائش میں مشغول رہتے ہیں۔ گھر کے مردوں کو مال سمیٹنے سے فرصت نہیں ہوتی جبکہ گھر کی عورتوں کو فیشن پرستی سے فراغت نہیں ہوتی۔ گو دنیا کی لذتیں دن رات لیتے ہیں مگر پریشان حالی انکا مقدر بن جاتی ہے۔ انکے دل سکون سے خالی اور ان کے ذہن تفکرات سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کا کام اپنی نجی مجالس میں دوسروں پر تنقید کرنا ہوتا ہے۔ جب بھی دیندار لوگوں کا تذکرہ آتا ہے تو نہ صرف ناک بھوں چڑھا کر اپنی ناگواری کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ناپسندیدہ کلمات

کے ذریعے اپنی دلی بیزاری کا اقرار کرتے ہیں۔ بات بات میں امت مسلمہ کی ہر ذلت و پستی کا ذمہ دار انہی دیندار لوگوں کو ٹھہراتے ہیں۔ علمائے دین کو موجودہ اقتدار سے نابلد معاشرہ کے مسائل سے ناآشنا قومی تقاضوں سے غافل ملکی فلاح و بہبود سے بے پروا اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ انکی سب سے وزنی دلیل یہ ہوتی ہے کہ علمائے کرام چونکہ انگریزی علوم سے ناواقف ہیں لہٰذا جاہل ہیں۔ یہ عجیب ذہنیت ہے کہ وکیل اگر علم طب سے ناواقف ہے تو قابل طعن نہیں۔ ڈاکٹر اگر دینی علوم سے بے بہرہ ہے تو لائق طنز نہیں۔ انجینئر اگر اخلاق عالیہ سے عاری ہے تو سزاوار تشنیع نہیں ہے۔ لیکن عالم و مفتی دینی میدان کا شہسوار بھی ہو تو سائنسی علوم نہ جاننے کی وجہ سے جاہل ٹھہرا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ عجیب المیہ ہے عجیب قسم کی ترازو ہے۔ درا‌صل ان لوگوں کی آنکھوں پر فرنگی چشمے لگے ہوتے ہیں یہ ہر چیز کو اسی نظر سے دیکھنے اور ہر ایک کو اسی پیمانے پر تولنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ یہی لوگ دین دشمن قوتوں کے لئے آلۂ کار بنتے ہیں۔ حصول دنیا کے لیے یہ دین کے شجر پر ہر طرف سے کلہاڑی چلانے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہی لوگ یہود و نصاریٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔ انہی کے ذریعے دشمنان اسلام اپنی خفیہ سازشوں کا جال پھیلاتے ہیں اور عالمی سطح پر بالواسطہ یا بلاواسطہ یہی لوگ امت مسلمہ کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ غرض یہ لوگ "با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام" کا مصداق ہوتے ہیں۔

(2) عام دیندار طبقہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو دل میں دین کی محبت رکھتے ہیں۔ اگرچہ عصر حاضر کی ہوس پرستی اور زر پرستی کے ماحول میں دینی زندگی گزارنا ان کے لئے جوئے شیر لانے

کی مانند ہوتا ہے۔ تاہم یہ کسی نہ کسی دینی تنظیم یا جماعت کے ساتھ منسلک ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً انہیں نامساعد حالات کی باد زمہریر کے تھپیڑے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو اپنی چونچ میں پانی لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ احیائے دین اور ترویج شریعت و سنت کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدارس اور مساجد انہی لوگوں کے دم قدم سے آباد ہیں۔ فرنگی سیلاب کے راستے میں یہی لوگ رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور ہر طرف سے جگ ہنسائی اور ہرزہ سرائی بھی انہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر شاباش ہے ان لوگوں پر کہ پھر بھی دین کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔

3 علمائے کرام:

یہ وہ حضرات ہیں جو دعوت الی اللہ تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف اور امامت و خطابت کے کام کو مقصد زندگی بنا لیتے ہیں۔ امت مسلمہ کا بوجھ انہی کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ ان میں بعض حضرات کی قربانیوں سے دین کی بقا وابستہ ہوتی ہے۔ یہ حضرات دین کے محافظ ہیں۔ عموماً یہ اپنی اولاد کے لیے بھی دینی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دنیا میں معمولی رزق پر قناعت کر لینا اور اولاد کو بھی دین کا خادم بنانا انہی کی شان ہے۔ ان کے چٹائیوں پر بیٹھنے کی وجہ سے امت مسلمہ آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہے۔ دین کے خلاف ہونے والی ہر سازش اور بغاوت کا قلع قمع کرنا انکا منصب ہوتا ہے۔ ہر بدعت و گمراہی کے خلاف یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ امت مسلمہ کو دین سے برگشتہ کرنے کی داخلی یا خارجی کوششوں کے خلاف جہاد کرنا انکا نقد وقت ہوتا ہے۔ رشد و ہدایت کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انہی کے دم قدم سے ہوتے ہیں۔ یہی حضرات وارث انبیاء کہلانے

کے حقدار ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ آج کے پرفتن اور قحط الرجال کے دور میں کچھ دنیادار لوگ علماء کا لبادہ اوڑھ کر ان کی صفوں میں گھس آئے ہیں۔ دین اور مسلک و مذہب کے بارے میں ان کا کام اختلافی مسائل کو ہوا دینا اور عوام الناس کے سامنے عقائد ونظریات کے وہ نازک مسائل بیان کرنا جس پر بحث کرتے ہوئے علماء راسخین بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ ان کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر وہ کھڑے ہوں تو سمجھتے ہیں کہ اسلام کھڑا ہے۔ اگر بیٹھے ہوں تو سمجھتے ہیں کہ اسلام بیٹھ گیا ہے۔ عوام الناس کو گروہوں میں تقسیم کرنا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر کرنا انہی کا سیاہ کارنامہ ہے۔ کاش! یہ حضرات امت مسلمہ کو منتشر کرنے کی بجائے متحد کرتے اور باطل ادیان کے خلاف بنیان مرصوص بنادیتے۔ برصغیر کی مثال لیجئے۔ یہاں کے علماء وصلحا پانچ جماعتوں میں منقسم ہیں۔

1. غیر مقلد حضرات

ان کا کام ہر عام وخاص کے ہاتھ میں بخاری شریف پکڑا کر اسے اجتہاد کی دعوت دینا ہے۔ سلف صالحین سے بدگمانی اور ان کے خلاف بدزبانی ان کا شیوہ ہے۔ جمہور کو زنبور کہنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ان کا کام عامتہ الناس کو ائمہ اربعہ کی تقلید سے ہٹانا اور اپنی تقلید پر لانا ہوتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے بھی انکو چڑ ہوتی ہے۔ بے ادب اور گستاخ ہونا ان کے نزدیک مجاہد ہونے کے مترادف ہے۔ تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس نہ ہونے کی وجہ سے ہر مسئلے میں خواہشات نفسانی کی خاطر آسانی اور سہولت کو ڈھونڈتے ہیں۔ فٹ بال میچ دیکھنے کی خاطر دو نمازوں کو جمع کرنا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ ان کا دین

فاتحہ خلف امام، اونچی آمین کہنا، رفع یدین کرنا، آٹھ تراویح وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ان کے ہر فرد نے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب تو یاد کر رکھی ہوتی ہے مگر لا صلوٰۃ الا بحضور القلب کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی۔اس گروہ کے لوگ تفسیر بالرائے، انکار حدیث گستاخی رسول اور قادیانیت وغیرہ کے فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ نام کے سلفی اور درحقیقت ناخلفی کے زمرے میں آتے ہیں ۔ذرا ذرا سی بات پر شرک اور کفر کے فتوے لگانا انکا محبوب مشغلہ ہے۔توحید کے راگ ہر وقت الاپتے ہیں مگر اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (کیا تو نے دیکھا اسے جس نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا) کے مصداق ہوتے ہیں۔اپنا علمی شجرۂ نسب یہ محدثین حضرات کے ساتھ ملانے کی کوششیں کرتے ہیں جبکہ معتزلہ سے خود بخود جا ملتا ہے۔

(2). اہل بدعت حضرات:

یہ حضرات اٹھتے بیٹھتے عشق رسول ﷺ کے دعوے کرتے ہیں۔مگر اتباع رسول ﷺ کی طرف التفات نہیں کرتے۔انکا اسلام نبی علیہ السلام کو نور ثابت کرنا، حاضر ناظر ماننا، مختار کل سمجھنا اور عالم غیب ثابت کرنا ہوتا ہے۔ یہ محبت اولیاء کے مقدس جذبے میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ قبروں کا طواف کرنا اور سجدہ کرنا بھی عبادت سمجھتے ہیں۔اپنے پیر کو چھوٹا خدا سمجھنا اور ادب کے نام پر بدعات کو رواج دینا ان کا کام ہے۔ان کا اسلام اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا، نبی علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا، یارسول اللہ ﷺ کے نعرے لگانا، قوالی کے نام پر موسیقی سننا اور عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا ہوتا ہے۔عموماً یہ حضرات جیتے جی کسی کو اتنا ولی نہیں سمجھتے جتنا کہ مرنے کے بعد سمجھتے ہیں۔قبروں کی اور مزاروں کی شادابی و آبادی انہیں کی مرہون منت ہے۔

مالدار ہوتے ہوئے کوئی زکوٰۃ نہ دے اسے کوئی ملامت نہیں کرتے۔ نماز نہ پڑھے اس پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔ سنت رسول ﷺ کا تارک ہو اس سے کوئی نفرت نہیں۔ لوگوں کے حقوق غصب کرے اس پر کوئی طعن نہیں بلکہ ان سب کے ہوتے ہوئے کوئی گیارھویں چالیسواں نذر و نیاز کے کھانے وغیرہ تقسیم کرے تو اسے پکا محبّ رسول ﷺ اور محبّ اولیاء سمجھتے ہیں۔ رسوم و بدعات کا منکر ان کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ سمجھا جاتا ہے۔ خواہ متبع سنت ہو۔ ذاکر شاغل ہو۔ حقیقی اہل اللہ سے بیعت ہو۔ متقی و پرہیز گار ہو۔

تفو برتو اے چرغ گرداں تفو

③. اہل حق حضرات:

یہ حضرات اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ افراط و تفریط سے بچ کر ایک ہاتھ میں توحید کی شمع اور دوسرے میں عشق رسول ﷺ کا چراغ لئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ نہ تو یہ غیر مقلدین کی طرح بے ادب ہوتے ہیں نہ اہل بدعت کی طرح قبروں کے پجاری ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ درج ذیل شعر کے مصداق ہے۔

ے درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام اور دوسرے میں عشق کی اہرن۔ ہر ہوس پرست اس جام و اہرن سے کھیلنا نہیں جانتا)

ان حضرات کو ایک طرف غیر مقلدین کی مخالفت اور دوسری طرف اہل بدعت کی مخاصمت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ترویج و اشاعت دین کے لیے ان کے مدارس دین کے قلعے ہیں اور تبلیغی جماعت کے نام سے ان کی قربانیاں قابل

تعریف ہیں۔

4. صوفیائے کرام:

آج کے دور میں اکثر خانقاہیں مال و دولت کمانے کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ جا نشینی کو اہلیت کی بنیاد پر متعین کرنے کی بجائے نسلی و خاندانی بنیادوں پر فروغ دیا جاتا ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

نام نہاد پیر حضرات سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ پیری مریدی رسمی رواجی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ دین کو نقصان پہنچانے میں ایسے جاہل صوفیاء کا بڑا ہاتھ ہے۔

جس طرح پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسطرح تمام خانقاہیں بھی بدحالی کا شکار نہیں ہوتیں ہیں۔ بعض ایسی خانقاہیں آج بھی موجود ہیں جہاں اولیاء کاملین سالکین طریقت کو راہ معرفت کی راہنمائی کرنے میں مشغول ہیں۔ ان کا کام محبت الٰہی سے دلوں کو لبریز کرنا اور کمینی دنیا سے متنفر کر کے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگنا ہے۔ ان حضرات کی شب زندہ داریوں اور صفا کیشیوں کی بناء پر امت مسلمہ کی ہچکولے کھاتی کشتی چل رہی ہے۔ یہ حضرات اندھیری رات میں ٹمٹماتے چراغ کی مانند ہیں۔ بعید نہیں کہ ان کی دعائے نیم شبی سے حالات پلٹا کھائیں اور ان کی نظر کیمیا اثر سے کوئی ایسا فرد فرید پیدا ہو جو سوئی ہوئی امت کو جگادے اور تسبیح کے بکھرے دانوں کو ایک دھاگے میں پرو دے۔

5. اہل سیاست علماء:

یہ وہ حضرات ہیں جو حکومتی ایوانوں میں بیٹھ کر دین کی سربلندی کے لئے

کوشاں ہیں۔ ماضی قریب تک اس جماعت میں ایسے اکابرین رہے ہیں جنہوں نے قدم قدم پر بعض دینی احکام کی نگہبانی کی اور اہل دنیا سے اپنی دیدو دانش کا لوہا منوایا۔ گزشتہ چند سالوں سے حالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ آج یہ حضرات ایک سے دو اور دو سے چار میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ ان حضرات کا مقصد جس قدر ارفع و اعلیٰ تھا نتائج اتنے ہی مایوس کن ہیں۔ مفاد پرستی عام ہونے کی وجہ سے ان میں سے بعض حضرات اسکی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ پس ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرنے والی حالت ہو چکی ہے۔ آج ان حضرات کی آواز کا کوئی وزن نہیں رہا۔ ان میں سے کوئی جماعت شریعت بل پیش کرتی ہے تو دوسری اسلامی جماعتیں ہی اس میں نقص نکالنے میں پیش پیش رہتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ شریعت و سنت کی بالادستی نہیں چاہتے بلکہ اس نظام کی بالادستی چاہتے ہیں جو ان کے ہاتھوں سے پیش ہو۔ کاش کہ وہ حضرات حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول دل و دماغ میں بسا لیتے کہ

"دین کا احیاء جب بھی ہو جہاں کہیں ہو جس کسی کے ہاتھوں سے ہو وہی زیبا ہے"

عوام الناس اس بات سے سخت بیزار ہیں کہ یہ دین کا راگ الاپنے والے حضرات ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں۔ عامتہ الناس کی طرح ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں تو کسی اور سے کیا گلہ۔ ان حضرات کے قول و فعل کا تضاد دین دشمن قوتوں کے لئے تقویت کا سبب بنتا ہے۔ یہود و نصاریٰ انہی کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں پس وہ قریب ہونے کی بجائے دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ حضرات سلف

صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آداب اختلاف کا خیال رکھیں

دور حاضر میں یورپی اقوام کا کردار:

آج سائنسی علوم کی ترقی اپنے عروج پر ہے۔ یورپی اقوام میں اتنی بالغ نظری آچکی ہے کہ وہ اپنے پہاڑوں جیسے بڑے بڑے مسائل کو مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر حل کر لیتے ہیں۔ ماضی قریب ہی میں ہانگ کانگ کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ برطانیہ نے سو سال پہلے چین سے یہ علاقہ کرائے پر حاصل کیا تھا۔ سو سال گزرنے کے بعد اب واپسی کا وقت آ گیا۔ ظاہراً یہ ناممکن اور لاینحل مسئلہ نظر آتا تھا۔ مگر دونوں ممالک نے میز پر بیٹھ کر مسئلے کا حل نکال لیا۔ یورپی اقوام کا یہ تاریخی قدم ہمارے لئے باعث عبرت ہے۔ امت مسلمہ کے مختلف مکاتب فکر میں کتنی باتیں یکساں ہیں۔ خدا ایک' رسول ایک' دین ایک' قرآن ایک' کعبہ ایک' کلمہ ایک' ارکان اسلام ایک جیسے۔ اتنا سب کچھ ایک جیسا ہونے کے باوجود ہم ایک نہیں ہو پا رہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یورپی اقوام نے دیوار برلن توڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ لوگ نسلی بنیادوں پر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم اپنے اندر نفسانیت وانانیت کی بنی ہوئی دیوار کو توڑ کر اللہ کے لئے ایک نہیں ہو سکتے۔ یورپی اقوام مادی ترقی اس قدر حاصل کر چکی ہیں کہ دنیا کے ممالک ان کے لئے محلے بن چکے ہیں۔ یورپ کی کرنسی (EURA DOLLAR) ایک ہو چکی ہے۔ وہاں کے باشندوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے ویزوں کے حصول کی ضرورت نہیں ہے۔ افہام وتفہیم کے لئے آپس کی راہیں ہر وقت کھلی ہیں۔ بڑے بڑے اختلافی مسائل پر وہ گفت وشنید کے ذریعے قابو پانے کے عادی بن چکے ہیں۔ کاش! کوئی ایسی صورت ہوتی

کہ مسلمان ممالک کے لوگ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے۔ ہمارا حال ابتر اور بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے ہم قریب آنے کی بجائے ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یہ بات بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ یورپی ممالک کی خفیہ تنظیمیں مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا ہموار کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ گلہ ان سے نہیں وہ تو غیر مسلم ہیں۔ گلہ اپنوں سے ہے جو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ سائنسی ترقی نے ظاہری فاصلوں کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اب لوگ دنیا کو عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دلوں کے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک اور نیک بن جائیں۔ یہود و نصاریٰ اگر دنیوی مفاد کے لئے اکٹھے ہو سکتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اخروی مفاد کی خاطر ایک ہو جائیں۔ آپس کے اختلافات کو مجادلہ اور شقاق نہ بننے دیں۔ ذیل میں آداب اختلاف کے چند سنہری اصول قلمبند کئے جاتے ہیں۔

آداب اختلاف (اصول وضوابط):

1. سب مسلمانوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ آپس میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مصداق بن کر رہیں۔
2. فروعی اختلافات کو اپنی جگہ پر رکھنا چاہئے اور اصولی اختلاف نہیں بنا لینا چاہئے۔
3. اختلاف سے بچنے کی کوششوں کے باوجود اگر کسی معاملہ میں اختلاف رائے

ہو جائے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ لیکر مسئلے کو حل کرلیا کریں۔

4. جب بھی حکم الٰہی یا حکم رسول اللہ ﷺ سامنے آئے تو ہم اپنی گردنوں کو فوراً جھکا دیا کریں۔ یعنی دل وجان سے تسلیم کرلیا کریں۔

5. ہمیں ہر وقت یہ احساس رہنا چاہیئے کہ ہمارے بھائی کی رائے بھی اس طرح درست ہو سکتی ہے جس طرح ہماری نظر میں اپنی رائے درست ہے۔ کسی بھی کام کے بیک وقت دو مختلف حل ہو سکتے ہیں۔

6. ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے حسن ظن رکھے اور تعصب رائے سے دور رہیں۔

7. نفسانیت و انانیت سے دور رہ کر تقویٰ وطہارت کی راہ اختیار کریں۔

8. آپس کی گفتگو میں حسن اخلاق کا خیال رکھیں۔ جارحانہ الفاظ اور طرز تخاطب سے اجتناب کریں۔

9. دوسرے بھائی کی بات نیک نیتی اور دل جمعی سے سنیں۔

10. گفتگو کی تلخی سے پرہیز کریں کہ ہر ایک کی رائے میں سنجیدگی اور احترام کا پہلو غالب رہے۔

11. اگر کبھی تلخ کلامی کی نوبت آ بھی جائے تو ایک دوسرے سے معذرت کرنے میں پہل کرین۔ ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا سیکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(غصے کو پی جانے والے، لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکو کاروں

سے محبت کرتا ہے) (آل عمران:۱۳۴)

⑫ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہر وقت پیش نظر رہے۔

صِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَکَ وَ اَحْسِنْ مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ

(تو جوڑ اس سے جو تجھ سے توڑے، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دے اور جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے بھلائی کرے)

⑬ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے آداب اختلاف سکھاتے ہوئے فرمایا:

اِقْرَأُوْا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ فَقُوْمُوْا

(قرآن مجید پڑھو جب تک اس پر تمہارے دل ملے رہیں۔ جب اختلافات ہو جائیں تو کھڑے ہو جاؤ)

اگر ہم ان اصول و ضوابط کا خیال رکھیں تو ہمارا اختلاف فقط اختلاف رائے کی حد تک رہے گا۔ یہاں حدیث پاک میں "دل ملے رہیں" کا پیغام بہت معنی خیز ہے۔ پس امت کی بقا اسی میں ہے کہ محبت خداوندی کے سائے میں دل آپس میں ملے رہیں۔ یاد رکھیں اگر دل بچھڑ گئے تو یہی روحانی موت ہے۔ اختلاف کے بیج پنپنے سے پہلے ہی اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ دیا کریں۔

ہم کسی طور بھی باہم نہیں ہونے پاتے
ایسے بکھرے کہ منظّم نہیں ہونے پاتے
ایک ہی پیڑ کی شاخوں پہ کھلے پھول ہیں ہم
اور تعجب ہے کہ باہم نہیں ہونے پاتے

سلف صالحین سے منقول ہے کہ دوست کا لفظ چار حروف سے مل کر بنا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ

''د'' سے درد یعنی جو دکھ درد کو بانٹنے والے ہوں

''و'' سے وفا یعنی جن کی آپس میں وفا ایسی ہو کہ ساتھ زندگی بھر نبھائیں۔

''س'' سے سچائی یعنی ایک دوسرے کے ساتھ سچائی کا معاملہ کریں۔

''ت'' سے تابعداری یعنی ہر ایک دوسرے کی بات ماننے کے لئے تیار رہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حَیٰوۃَ الْجَمْعِ وَ جَنِّبْنَا مَوْتَ التَّفَرُّقَۃِ

(اے اللہ! ہمیں اجتماعی زندگی عطا فرما اور تفرقہ کی موت سے بچا)

ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ خلوت میں اس نماز کا اعادہ بھی کر لیتے۔ کسی نے اس عمل کی حکمت معلوم کی تو فرمایا کہ امت ایک جسم کی مانند ہے میں اس کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جب بھی کوفہ آتے تو وتر میں تین رکعتیں ایک سلام سے ادا کرتے اور فاتحہ خلف امام بھی نہ پڑھتے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صاحب مزار (امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ) سے شرم آتی ہے۔

شہد کی مکھیاں اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ انسان کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

؎ زاتفاق مگس شہد میشود

خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

(شہد کی مکھیوں کے اتفاق سے شہد بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتفاق میں کتنی لذت رکھی ہے)

☆☆☆☆☆